عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ ختمِ نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

قیمت: ۱۰ روپے

جلد: ۳۵ | ۱۶ تا ۲۲ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۳ تا ۳۰ اپریل ۲۰۱۶ء | شمارہ: ۱۶

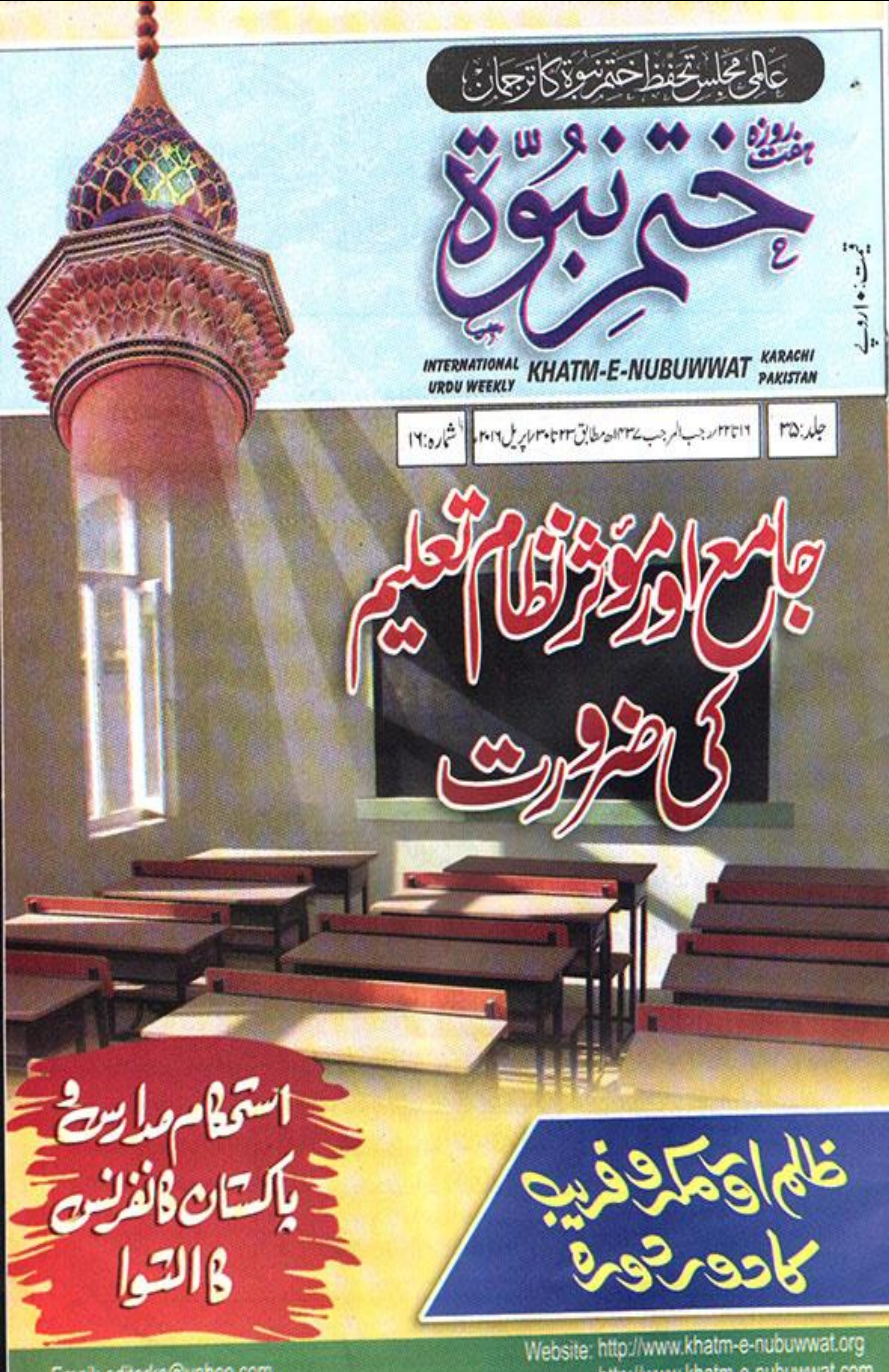

جامع اور مؤثر نظام تعلیم کی ضرورت

استحکام مدارس و پاکستان کانفرنس کا التوا

ظلم اور مکر و فریب کا دور دورہ

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

Email: editorkn@yahoo.com

آنکھیں عطیہ کرنے کی وصیت

س:...... کیا انسانی اعضاء عطیہ کر سکتے ہیں؟ یعنی کوئی یہ وصیت کر دے کہ میرے مرنے کے بعد میری آنکھیں فلاں کو دے دی جائیں، کیا ایسی وصیت کرنا شرعاً جائز ہے؟ جبکہ یہ انسانیت کی خدمت کے لئے ایسا کرے تو کیا حکم ہے؟

ج:...... انسان اپنی زندگی اور اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ زندگی اور یہ جسم اور اس کے تمام اعضاء بطور امانت انسان کے سپرد کئے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعے فائدہ حاصل کرے اور اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی عبادت کرے اور اس کے احکامات کی پابندی کرے۔ تمام کے تمام انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے اور اس کے غلام ہیں، آزاد اور خود مختار نہیں ہیں کہ جس طرح چاہیں زندگی گزاریں اور جو مرضی ہو وہ کریں، جس طرح زندگی گزارنے میں انسان حلال وحرام کا پابند ہے، اسی طرح وہ اس بات کا بھی پابند ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کرے اور اسے ضائع نہ ہونے دے اور نہ خود سے ہی کوئی ایسا اقدام کرے اسی وجہ سے شریعت میں اپنی جان کی حفاظت فرض اور خودکشی حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ خودکشی کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور سخت سزا و وعید بیان کی گئی ہے۔ جس طرح کسی معصوم جان کو قتل کرنا حرام اور ناجائز ہے بالکل اسی طرح اپنی زندگی کو ختم کرنا اور خودکشی کرنا بھی حرام و ناجائز ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور جس طرح زندگی میں کسی دوسرے انسان کی آنکھیں نکالنا حرام ہے، بالکل اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی آنکھیں نکالنا حرام و ناجائز ہے، خواہ اس نے وصیت ہی کیوں نہ کی ہو، کیونکہ ایسی وصیت کرنا ہی جائز نہیں اور اس پر عمل کرنا بھی جائز نہیں اور یہ کوئی انسانیت کی خدمت نہیں ہے بلکہ اس کی اہانت اور انتہائی تذلیل ہے کہ انسان اور اس کے اعضاء کو بکاؤ مال سمجھ کر اس کے بھاؤ تاؤ لگائے جائیں اور جانوروں کی طرح اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے اور پھر یہ فراخ دلی مرنے کے بعد ہی کیوں دکھائی جاتی ہے، زندگی میں ہی کیوں اس کی ہمت اور جرأت نہیں کی جاتی؟ کہیں اس کے پیچھے یہ سوچ تو نہیں کہ انسان مرنے کے ساتھ ہی گل سڑ کر ختم ہو جاتا ہے، بس! تو یاد رہے کہ ایسی سوچ مشرکانہ اور ملحدانہ ہے، یہ ان لوگوں کی سوچ ہے جن کا خدا اور اس کے دین پر اور مرنے کے بعد کی زندگی پر کوئی ایمان اور یقین نہیں، جبکہ ایک مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہی یہ ہوتا ہے کہ یہ زندگی عارضی ہے اصل اور کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی تو موت کے بعد سے شروع ہوتی ہے، جس پر اس کو مکمل یقین اور ایمان ہوتا ہے۔ اس لئے ایک صحیح مسلمان اپنے آپ کے ساتھ ایسا ظلم کرنا کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔

ضرورت کے وقت خون دینا

س:...... کیا کسی ضرورت مند مریض کو خون دیا جا سکتا ہے؟ اور کیا یہ خون لینا اور دینا جائز ہوگا، جبکہ دینے والا یا لینے والا غیر مسلم ہو؟

ج:...... مجبوری کی صورت میں دوسرے کی جان بچانے کے لئے خون دینا صحیح ہے، کیونکہ خون دینے سے انسان کے جسم میں کوئی نقص اور عیب پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی جان کو کوئی خطرہ ہوتا ہے۔ ہاں غیر مسلم سے خون لینا اسلامی حمیت اور غیرت کے خلاف ہے، مجبوری ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح کسی غیر مسلم کو خون دینا بھی صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہفت روزہ ختم نبوۃ

مجلس ادارت

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری — صاحبزادہ مولانا عزیز احمد

علامہ احمد میاں حمادی — مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

مولانا قاضی احسان احمد

جلد:۳۵ — ۱۶تا۲۲رجب المرجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۳تا۳۰؍اپریل ۲۰۱۶ء — شمارہ:۱۶

سرپرست
حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ
حضرت مولانا حافظ ناصرالدین خاکوانی مدظلہ

مدیر اعلیٰ
مولانا عزیز الرحمن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ
مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر
عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر
حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میو ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر
محمد انور رانا

تزئین و آرائش:
محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

اس شمارے میں!

داڑھی، پگڑی ہی مورد الزام کیوں؟	۴	محمد اعجاز مصطفیٰ
استحکام مدارس و پاکستان کانفرنس کا التوا!	۶	مولانا محمد حنیف جالندھری
ظلم اور مکر و فریب کا دور دورہ	۱۰	اوریا مقبول جان
جامع اور مؤثر نظام تعلیم کی ضرورت	۱۲	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
غازی ممتاز حسین قادری شہیدؒ	۱۷	محمد متین خالد
حضرت تھانویؒ اور عقیدۂ ختم نبوت (۲)	۲۰	مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی
دستور پاکستان اور قادیانیت..... (۳)	۲۳	شکیل عثمانی
اکابر تبلیغ اور ان سے متعلقہ کتابوں کا مختصر تذکرہ (۳)	۲۶	مولانا سید محمد زین العابدین

زر تعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۵ ڈالر، یورپ، افریقہ: ۷۵ ڈالر، سعودی عرب،
متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطی، ایشیائی ممالک: ۶۵ ڈالر
فی شمارہ ۱۰ روپے، ششماہی: ۲۲۵ روپے، سالانہ: ۴۵۰ روپے

WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT, A/c# 0010010964680019
(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK68ABPA0010010964680019
AALMI MAJLIS TAHAFFUZ KHATM-E-NUBUWWAT 0010010964710018
(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK45ABPA0010010964710018
Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.

بنیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ
حضرت مولانا سید انور حسین نفیس الحسینیؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷ فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, 34234476 Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶، ۰۶۱-۴۵۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4583486, 061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London. SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمن جالندھری — مطبع: القادر پرنٹنگ پریس — طابع: سید شاہد حسین — مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

محمد اعجاز مصطفی

داڑھی، پگڑی ہی موردالزام کیوں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

سابق آمر جنرل پرویز مشرف کے تسلط کے بعد سے ہی جو ملکی حالات ابتر ہونا شروع ہوئے آج تک وہ سنبھلنے میں نہیں آرہے۔ پشاور، کوئٹہ، کراچی، لاہور، فیصل آباد، اسلام آباد کے علاوہ ملک کے کئی ایسے نامور شہر ہیں جو خودکش حملوں، بم دھماکوں، قتل وقتال، لوٹ کھسوٹ اور ٹارگٹ کلنگ کے طوفان بلاخیز کے تھپیڑوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

اوران سے نکلنے کی تاحال کوئی سعی وکوشش کامیاب ہوتی نظر نہیں آرہی۔

اس لئے کہ ۲۷؍مارچ ۲۰۱۶ء بروز اتوار شام کے وقت لاہور کے گلشن اقبال پارک میں مبینہ ایک اور خودکش دھماکہ ہوا، جس کی زد میں آکر ۷۰؍سے زائد افراد شہید اور ساڑھے تین سو سے زائد زخمی ہوگئے۔ پچھلے بارہ سال میں لاہور تین درجن سے زائد دھماکوں کا نشانہ بن چکا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اس دھماکے میں بھی سب سے زیادہ شکار خواتین اور بچے بنے جو اتوار کی چھٹی گزارنے کے لئے اس پارک میں سیر وتفریح اور جھولے جھولنے کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ دھماکہ کے بعد افراتفری پھیلنے سے اکثر بچے والدین اور سرپرستوں سے بچھڑ گئے اور ان میں سے کئی ایک پاؤں تلے روندے جانے کی وجہ سے جان کی بازی ہار گئے۔ یہ وہی پارک ہے جس میں ایک ہفتہ بعد وفاق المدارس العربیہ کے تحت استحکام مدارس وپاکستان کانفرنس ہونا تھی، جس کی ابتدائی تیاریاں بھی کی جاچکی تھیں، لیکن وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ نے ان شہداء کے ورثاء سے اظہار یکجہتی اور ملکی حالات کے پیش نظر اس کانفرنس کو غیر معینہ مدت تک کے لئے مؤخر کردیا اور ۳۱؍مارچ ۲۰۱۶ء کو استحکام پاکستان ویوم دعا کے طور پر منانے کا اعلان کیا۔

ہر باشعور اور سلامتی فکر کا حامل شخص جانتا ہے کہ یہ مدارس اور ان میں تعلیم وتعلم میں مصروف لوگ سب سے زیادہ ملکی سلامتی اور استحکام پاکستان کے متمنی اور کوشاں ہیں۔ اور اس کے لئے صبح وشام اپنے رب سے دعائیں اور التجائیں کرتے رہتے ہیں، لیکن ایک مخصوص لابی ہمیشہ ان کے خلاف تجسس اور غلط پروپیگنڈے کرکے ان کو موردالزام ٹھہراتی آرہی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے حکومتی حلقوں کی طرف سے ایک اشتہار دیا گیا اور اس میں تصاویر کے ذریعہ یہ دکھلانے کی کوشش کی گئی کہ دہشت گرد کیسا ہوتا ہے؟ اس میں دہشت گرد کی جو تصویر دکھائی گئی، اس میں داڑھی اور پگڑی کو خوب واضح کیا گیا کہ دہشت گرد ایسے حلیہ کا ہوتا ہے، نعوذ باللہ من ذلک۔

اور اس اب اس دھماکہ میں شہید ہونے والا محمد یوسف جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس پارک میں سیر وتفریح کی غرض سے آیا تھا، شناختی کارڈ اس کی جیب میں تھا، محض اس کے چہرہ پر داڑھی ہونے کی وجہ سے اس کو خودکش حملہ آور باور کرایا گیا، اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ کہ جن اداروں میں وہ پڑھتا رہا ان اداروں کی کردارکشی کی گئی، ان پر چھاپے مارے گئے، منتظمین کو خوفزدہ کیا گیا، افسوس ناک بات یہ کہ محمد یوسف کے آبائی علاقہ کا محاصرہ کرکے ان کے چار بھائیوں کو گرفتار کرکے انہیں نامعلوم مقام پر منتقل کیا گیا، ان کے عمر رسیدہ والدین جو عمرہ پر گئے ہوئے تھے ان کو گالیاں دی گئیں، یہ تو اللہ بھلا کرے اس کے ساتھی محمد یعقوب کا جو اس حملہ میں زخمی ہوا، اس نے بتایا کہ ہم تین دوست گھومنے آئے تھے، ہم نے نماز پڑھی، کھایا پیا، اچانک خوفناک دھماکہ ہوا، اور میرا دوست ہمیشہ کے لئے مجھ سے بچھڑ گیا۔

یہ بات لوگوں کی دلچسپی کا باعث بنی رہی کہ خودکش تو مارا گیا، لیکن اس کا شناختی کارڈ ایسا آگ اور بم پروف تھا کہ وہ جلنے سے بچ گیا، اگرچہ بعد میں تحقیقاتی اداروں نے محمد یوسف کو کلیئر قرار دے دیا، لیکن اس سے اتنی بات تو ثابت ہوئی کہ ملک کے مقتدر اداروں میں اور میڈیا میں ایک متعصب اور انتہاء پسند طبقہ موجود ہے جو دہشت گردی کو مذہب اور دینی مدارس سے جوڑنے پر کمربستہ دکھائی دیتا ہے اور یہ لادین اور مذہب بیزار طبقہ سیاسی جماعتوں کے سربراہان پر اور حکام وقت پر اتنا حاوی ہو چکا ہے کہ جو چاہے ان سے منوالے۔

پاکستانی عوام یہ بات سمجھنے سے قاصر تھے کہ اچانک ہمارے حکمرانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ملکی معیشت سے سودی کاروبار اور لین دین ختم کرنے انکاری ہو رہے ہیں؟ لبرل ازم کا نعرہ لگا رہے ہیں، ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں شمولیت ہو رہی ہے، ہندوؤں کے ہاتھوں اپنے اوپر رنگ پھینکوانے کی خواہش کا اظہار ہو رہا ہے، علامہ اقبالؒ کے نام کی چھٹی منسوخ اور ہندوؤں وعیسائیوں کے مذہبی تہواروں کی چھٹی کی قومی اسمبلی سے قرارداد پاس اور سندھ حکومت نے ہندوؤں کے تہوار کی چھٹی بھی دے دی ہے۔

اسی طرح پنجاب اسمبلی سے آناً فاناً تحفظ خواتین بل پاس کرا کر اس کو قانون کا حصہ بنا دیا گیا ہے جس میں ایک شق یہ بھی ہے کہ پروٹیکشن کمیٹی میں سول سوسائٹی سے چار افراد لئے جائیں گے، یعنی اب براہ راست این جی اوز کو حکومتی اختیارات مل جائیں گے۔ اسی طرح جدیدیت کے دلدادہ لوگوں کو منظر عام پر لا کر ان کے خلاف دین اور خلاف اسلام نظریات کو پروان چڑھایا جا رہا ہے اور میڈیا خوب ان کو کوریج دے رہا ہے۔

پنجاب اسمبلی نے تحفظ خواتین بل۔ جو سراسر قرآن وسنت، اسلامی معاشرہ اور مشرقی روایات کے بالکل برعکس ہے۔ بڑی عجلت میں اسے پاس کیا گیا، یہ بل کہاں سے آیا؟ کب کا بنا ہوا ہے؟ کہاں کہاں اور کب پاس ہوا؟ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم نے ان سب باتوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے اپنے درج بیان میں فرمایا:

”سکھر (بیورو رپورٹ، چوہدری محمد ارشاد) جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ ہم بھی تشدد کے خلاف ہیں، لیکن تشدد کی آڑ میں حقوق نسواں بل لایا گیا ہے، اسے کسی صورت قبول نہیں کیا جائے گا۔ جب میرے سامنے وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف سے پوچھا گیا کہ اس قانون کو ڈرافٹ کس نے کیا؟ مسودہ کس نے لکھا؟ تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے، دعا کرتا ہوں کہ خدا پاکستان پر کوئی امتحان نہ لائے، اگر کوئی امتحان آیا تو یہی پگڑی، داڑھی والے میدان میں ہوں گے اور اپنی فوج کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں گے اور یہ سیکولر دنیا کہیں بھی نظر نہیں آئے گی۔ وہ جامعہ حمادیہ مدرسہ منزل گاہ میں دستار فضیلت کانفرنس کے موقع پر جلسہ عام سے خطاب کر رہے تھے، اس موقع پر انہوں نے گلشن اقبال لاہور واقعہ کے حوالے سے کہا کہ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ آج پاکستان کو این جی اوز کے حوالے کر دیا گیا ہے، جو ہر طرف اس طریقے سے کام کر رہی ہیں کہ پاکستان کی اسلامی شناخت کو ختم کیا جائے، اب یہ فیصلہ عوام نے کرنا ہے کہ وہ پاکستان کی اسلامی شناخت کو باقی رکھنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ پنجاب کے حقوق نسواں بل کے پس منظر کا انکشاف کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ یہ وہ قانون ہے جو ۱۹۹۸ء میں جنوبی افریقہ کی پارلیمنٹ نے پاس کیا اور یہ وہ قانون ہے جسے ۲۰۰۵ء میں بھارت کی پارلیمنٹ نے پاس کیا اور یہ وہ قانون ہے جو ۲۰۱۲ء میں قومی اسمبلی میں لایا گیا جس کی جمعیت علماء اسلام نے بھرپور مزاحمت کی اور حکومت کو پسپائی پر مجبور کرتے ہوئے اس قانون کو رکوایا گیا۔ اگر یہ بل پنجاب اسمبلی نے پاس کیا ہے تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پنجاب اسمبلی میں جمعیت علماء اسلام نہیں ہے، تشدد کے خلاف ہم بھی ہیں، گھریلو تشدد پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ جرم ہے، لیکن جو قانون سازی تم کر رہے ہو تم نے اپنی قانون سازی میں تشدد کے لفظ کو متنازع بنا دیا ہے۔ گھر کے نظام کو کنٹرول کرنے کے لئے مرد کو، باپ کو، خاوند کو، بڑے بھائی کو جو حق قرآن کریم نے دیا ہے تم نے وہ حق اپنی قوم کے گھروں سے چھین لیا ہے، تم جو قانون بنا رہے ہو اس میں کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ اس کی بیوی یا بیٹی رات دیر سے کیوں آئی ہے؟ کیونکہ بیٹی یا بیوی پولیس کو فون کر کے باپ اور شوہر کو گرفتار کرا سکتی ہے۔“

(روزنامہ جنگ کراچی، بروز بدھ، ۳۰/مارچ ۲۰۱۶ء)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

اِستحکام مدارس و پاکستان کانفرنس کا التواء

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

جب سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ''استحکام مدارس و پاکستان کانفرنس'' کا اعلان کیا اس وقت سے ملک بھر میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں دین اسلام، وطن عزیز پاکستان اور دینی مدارس سے محبت رکھنے والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی، عجیب قسم کا جوش وخروش دیکھنے میں آیا اور دنیا بھر سے آنے والے فیڈ بیک سے اندازہ ہوا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر اہتمام منعقد ہونے والا یہ اجتماع صرف قومی اور ملک گیر اجتماع ہی نہیں تھا بلکہ اس اجتماع نے عالمی اجتماع کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اکابر کی شب وروز دعائیں اور ہدایات، نوجوانوں کا جوش وخروش، ارباب مدارس کی فکر مندی، مساجد کے ائمہ وخطباء کی جانب سے اجتماع کی کامیابی کی مہم، ملک بھر کے ہر ضلع اور ہر بستی میں منعقد ہونے والے اجلاس، ہر چوک وچوراہے میں آویزاں بینرز، ہر دیوار پر جگمگاتے ہوئے پینا فلیکس اور سوشل میڈیا پر گردش کرتے اشتہارات، پوسٹیں، مضامین، مباحثے اور مکالمے اس بات کی نوید ثابت ہوئے کہ پاکستان میں دینی مدارس کی بساط لپیٹنے اور دینی مدارس کو دیوار سے لگانے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ کانفرنس کی تیاریوں کا یہ عمل اس بات کی غمازی تھی کہ پاکستانی قوم دینی مدارس سے کس قدر بے لوث محبت رکھتی ہے۔

ہمیں اجتماع سے پہلے ملنے والی اطلاعات، کارگزاریوں، فیڈ بیک اور رپورٹس سے اندازہ ہورہا تھا کہ یہ اجتماع پاکستان کی تاریخ کا سب سے مثالی، منفرد اور تاریخ ساز اجتماع ثابت ہوگا اور اس میں اندرون وبیرون ملک سے لاکھوں لوگ شرکت کریں گے۔ پہلے دو ماہ تک ملک بھر میں دعوتی اور تشہیری مہم جاری رہی اور اجتماع سے دس دن قبل ہم نے لاہور آکر ڈیرے ڈال لئے، اپنے جملہ رفقاء کو بھی لاہور بلا لیا، ۲۶/مارچ بروز ہفتہ ہم گلشن اقبال پارک لاہور گئے۔ وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے منتخب اراکین، مقامی مسؤلین اور اجتماع کی تیاریوں اور انتظامات کے لئے تشکیل دی جانے والی مختلف کمیٹیوں کے ذمہ داران اور کارکنان اس پارک میں جمع ہوئے۔ ہم نے عصر اور مغرب کی نمازیں پارک میں باجماعت ادا کیں، پارک کے داخلی اور خارجی راستوں کا جائزہ لیا، اسٹیج بنانے کے لئے جگہ کا تعین کیا، سامعین وحاضرین کے بیٹھنے کی ترتیب سوچی، وضو اور دیگر ضروریات کی فراہمی کا جائزہ لیا، اسٹیج پر تشریف لانے والے مہمانوں کی لسٹ بنائی، سیکیورٹی اور پارکنگ کا خاکہ بنایا بعدازاں ہم گلشن اقبال پارک لاہور کے قریب ہی واقع ایک ادارے جامعہ الرشید گئے جہاں جاکر مزید امور پر مشاورت ہوئی۔ رات اور اگلے دن صبح کانفرنس کی تیاریوں میں لگے رہے۔ دعوت ناموں کی ترسیل، اہم شخصیات سے ملاقاتیں، مختلف فہرستوں کی تیاری اور دیگر انتظامی امور میں جتے ہوئے تھے کہ اچانک فون آیا کہ گلشن اقبال لاہور میں زوردار دھماکا ہوگیا ہے، یہ اطلاع ملتے ہی دل دہل گیا، عین اسی وقت پنڈال اور اسٹیج کی خدمت پر مامور جامعہ دار القرآن اور جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے رفقاء نے پارک میں اجلاس بلا رکھا تھا، اسٹیج بنانے والوں، ٹینٹ اور کیٹرنگ والوں کو مدعو کر رکھا تھا، پہلی اطلاع سے تو یوں لگا کہ خدانخواستہ ہمارے یہ نوجوان رفقاء دھماکے کی زد میں نہ آگئے ہوں۔ بے تابی سے حضرت مولانا قاری محمد یاسین صاحب کے صاحبزادے مولانا قاری عزیز الرحمن کو فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ اجتماع کے انتظامی امور میں مصروف ساتھی تو الحمد للہ محفوظ رہے مگر دھماکا بہت زوردار تھا اور بہت زیادہ جانی نقصان ہوگیا پھر جوں جوں تفصیلات سامنے آتی رہیں تو دکھی کرتی چلی گئیں، پھول سے بچے، معصوم عورتیں اور بے گناہ لوگ اس دھماکے کی زد میں آئے تھے۔ ایک طرف دھماکے کا صدمہ، لہولہو لاہور کی اذیت بے گناہ جانوں کے ضیاع کا رنج، جب یہ اطلاع پھیلی تو دنیا بھر سے فون کالوں کا تانتا بندھ گیا، پورے ملک میں گلشن اقبال پارک کا نام ''استحکام مدارس وپاکستان کانفرنس'' کی مناسبت سے ہی تو سنائی دیا تھا اس لئے لاہور سے باہر بسنے والوں کو شاید یہ اندازہ ہی نہ تھا کہ یہ پبلک پارک ہے بلکہ لوگ اسے ایک گراؤنڈ سمجھ رہے تھے اور دھماکے اور شہادتوں کی اطلاع ملتے ہی سب سے پہلے وفاق المدارس کے رضاکاروں اور ہم خدام کی خیریت وعافیت کے حوالے سے فکر مند ہو رہے تھے۔ رات گئے تک فون کالیں آتی رہیں، پھر

جب ٹوٹے دل اور شکستہ بدن کے ساتھ جا کر بستر پر دراز ہوا تو نیند کیا آتی پوری رات کروٹیں بدلتے اور انتہائی فکرمندی کے عالم میں گزری، اگلے دن جامعہ اشرفیہ لاہور میں جمع ہوئے۔ دھماکے کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال کا جائزہ لیا گیا مختلف آراء سامنے آئیں لیکن ہم کسی حتمی نتیجہ پر نہ پہنچ سکےاور یہ طے پایا کہ وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا جائے چنانچہ صرف ایک دن کے شارٹ نوٹس پر اجلاس طلب کیا گیا، ملک بھر سے مجلس عاملہ کے معزز اراکین نائب صدر وفاق المدارس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، راقم الحروف مولانا محمد حنیف جالندھری جنرل سیکرٹری وفاق المدارس العربیہ پاکستان، مولانا انوارالحق نائب صدر وفاق المدارس، مولانا مشرف علی تھانوی خازن وفاق المدارس العربیہ، مولانا قاضی عبدالرشید ڈپٹی سیکرٹری جنرل وفاق المدارس، مولانا حافظ فضل الرحیم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا امداداللہ، مولانا زبیر احمد صدیقی، مولانا حسین احمد، مولانا مفتی محمد نعیم جامعہ بنوریہ عالمیہ کراچی، مولانا سعید یوسف، مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی، مولانا اصلاح الدین حقانی، مولانا ارشاد احمد، مولانا ظفر احمد قاسم، مولانا مفتی مطیع اللہ، مولانا عبدالقدوس، مولانا مفتی طاہر مسعود، مولانا مفتی محمد طیب، مولانا ضیاءاللہ اخونزادہ، مولانا قاری محب اللہ، مولانا مفتی خالد محمود، مولانا عبدالمجید ناظم دفتر، مولانا عبدالمنان، مولانا قاری محب اللہ اور دیگر شریک ہوئے۔ طویل غور وخوض اور آراء کا تبادلہ ہوا، ہمارے سامنے لاہور کی سوگوار فضا بھی تھی، ملک بھر میں پائی جانے والی فکرمندی بھی تھی، اسلام آباد میں عین اس وقت جاری ایک دھرنے، جلاؤ گھیراؤ، توڑ پھوڑ کے بعد مذہبی طبقات کے طرز عمل اور رویوں کے حوالے سے رائے عامہ میں پائی جانے والی تشویش بھی تھی، اس بات کا احساس بھی کہ وفاق المدارس اللہ رب العزت کی ایک ایسی نعمت ہے کہ ملک بھر سے بچہ بچہ بے تابانہ وفاق کی کانفرنس میں سعادت جان کر دوڑا چلا آئے گا، تمام اکابر ایک اسٹیج پر جمع ہو نگے، تمام تنظیموں کے قائدین ساری دوریاں بھلا کر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اسٹیج پر ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے آ پہنچیں گے ایسے یادگار موقع پر خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو جاتا ہے تو کیا ہوگا؟ دوسری طرف ملک بھر میں ہونے والی محنت، لوگوں کا جوش وخروش، شہروں شہروں ہونے والے اخراجات، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ذمہ داران اور کارکنان کے احساسات سامنے تھے بلکہ خود میں ذاتی اور ذہنی طور پر کانفرنس کے التواء کو قبول کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا اس لئے دونوں پہلو ملک کے جید اور اکابر علماء کے سامنے رکھے، دو دن سے ہم اللھم خرلی واخترلی والھمنی رشدی کا ورد کر رہے تھے، اکابر کی آراء آئیں اور بالآخر اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ موجودہ صورتحال میں کانفرنس کا التواء کانفرنس کے انعقاد سے زیادہ ضروری، مفید اور نتیجہ خیز رہے گا چنانچہ شہداء لاہور کے ورثاء کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے رضا کارانہ طور پر کانفرنس ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ طے پایا کہ یکم اپریل ۲۰۱۶ء جمعہ کو ملک بھر میں یوم دعا منایا جائے گا، تمام مساجد کے ائمہ و خطباء استحکام مدارس و استحکام پاکستان کے موضوع پر اظہار خیال کریں گے، سانحہ لاہور کے شہداء کے درجات کی بلندی، زخمیوں کی صحت یابی اور ملک میں امن وامان کے قیام کے لئے خصوصی دعائیں کی جائیں گی۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اسلام آباد میں استحکام مدارس واستحکام پاکستان کنونشن انعقاد پذیر ہوگا، اسی طرح یہ بھی طے پایا کہ ملک بھر میں اس سال ختم بخاری، تکمیل قرآن کریم، دستار فضیلت اور تقسیم انعامات کے جملہ اجتماعات استحکام مدارس و پاکستان کے عنوان سے کئے جائیں گے یوں اس ایک کانفرنس کو سینکڑوں کانفرنسوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ مجلس عاملہ کے اجلاس کے بعد ایک پرہجوم پریس کانفرنس میں تمام اکابر علماء کرام کی معیت میں ان فیصلوں کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ نازک ترین صورتحال سے دوچار وطن عزیز میں اس موقع پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے قائدین کے اس فیصلے کا ملک بھر میں بھرپور خیر مقدم کیا گیا اور اسے ایک صائب اور دانشمندانہ فیصلہ قرار دیا گیا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے شرکاء کے تاثرات، مشاہدات، تجربات اور ملک بھر سے آنے والے فیڈ بیک سے اندازہ ہوا کہ کانفرنس کے انعقاد سے قبل ہی ہم کانفرنس کے اہم اہداف ومقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے، کیونکہ یہ کانفرنس مدارس بارے بے بنیاد پروپیگنڈے کے توڑ کے لئے انعقاد پذیر ہو رہی تھی اور ملک بھر کے گلی کوچوں میں جس محبت اور خلوص سے دینی مدارس کے کردار وخدمات کے چرچے ہوئے وہ بتاتے ہیں کہ دینی مدارس کو بدنام کرنے کے جتنے جتن کئے گئے وہ سب الٹے پڑے، مدارس کا میڈیا ٹرائل لوگوں کو مدارس سے متنفر کرنے کے بجائے لوگوں کے دلوں میں مدارس کی محبت میں اضافے کا باعث بنا۔ بچے بچے کی زبان اس حقیقت کا اعتراف کر رہی تھی کہ" آج کے دور میں کسی کی حقانیت جاننے کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ دشمن کے تیروں کا ہدف دیکھا جائے جس طرف دشمن کے تیر برس رہے ہوں سمجھ لو کہ حق وہیں ہے" دینی مدارس کے متعلقین کو تو پہلے بھی اس کا اندازہ تھا لیکن اس کانفرنس کے لئے محنت کرتے ہوئے ادراک ہوا

کہ اس ملک کا بچہ بچہ اس حقیقت کو بخوبی جان چکا ہے کہ مدارس کے خلاف نفرت انگیز مہم کے پس پردہ مقاصد کیا ہیں؟ کانفرنس کے لئے محنت اور ملاقاتیں کرتے ہوئے میری اور وفاق المدارس کے دیگر ذمہ داران کی کئی ایسے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئی ہیں جن کے بارے میں ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ دین کے بارے میں اتنے فکرمند اور مدارس دینیہ سے اس قدر بے پناہ محبت رکھتے ہوں گے لیکن ان سے بات چیت کے بعد اندازہ ہوا کہ مدارس کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈے کی وجہ سے انہوں نے از خود مدارس کے کردار وخدمات کا جائزہ لیا، مدارس کا تنقیدی نگاہوں سے مشاہدہ کیا اور پھر دل وجان سے اس بات کے معترف ہوئے کہ مدارس دینیہ کس طرح اس جبر کے دور میں اخلاص اور بے نفسی کے ساتھ تعلیم کے فروغ اور دین کی ترویج واشاعت میں مصروف عمل ہیں۔ اس لئے ہم نے یہ تہیہ کیا ہے کہ دینی مدارس کے بارے میں ہر پاکستانی مسلمان تک براہ راست پہنچ کر مدارس دینیہ کے ساتھ عوام الناس کے تعلق اور رابطہ مزید مستحکم کرنے کی محنت صرف کانفرنس تک ہی نہیں بلکہ پورا سال جاری رکھیں گے۔

استحکام مدارس واستحکام پاکستان کانفرنس کی تیاریوں کے دوران لوگوں میں حب الوطنی کے جذبات اجاگر ہوئے، اس بات کا احساس تازہ ہوا کہ ہمارا مستقبل اور ہمارے دینی مدارس کا استحکام پاکستان کے استحکام سے وابستہ ہے اور اس وطن کی سالمیت اور استحکام ہمیں مدارس اور دینی اداروں کے استحکام کی طرح عزیز ہے۔

”استحکام مدارس و پاکستان کانفرنس“ کی تیاریوں کے دوران ایک اور بات جو ہمارے لئے حوصلہ افزائی کا باعث بنی وہ یہ کہ کانفرنس باہمی اتحاد واتفاق اور یکجہتی کے اظہار کا ذریعہ بنی۔ ایک ایسے وقت میں جب ایک ہی خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد کے درمیان فاصلے ہیں، جب ایک مکتب فکر سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان تقسیم در تقسیم کا لامتناہی سلسلہ ہے، لوگ ایک ساتھ چلنے کے لئے تیار نہیں، مختلف مزاج اور نظریات کے حامل لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن اس کانفرنس کی تیاریوں کے دوران وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ذمہ داران کو جو حوصلہ افزا فیڈ بیک ملا اس نے پاکستان کے دینی مدارس کے سب سے بڑے اور قدیمی نیٹ ورک کے کارکنان کا مورال بہت بلند کیا کہ لوگوں کے درمیان موجود رویوں اور نفرتوں کی خلیج ”وفاق المدارس العربیہ پاکستان“ کے ذریعے پاٹی جاسکتی ہے اور ”وفاق المدارس العربیہ پاکستان“ بلاشبہ سب کے نزدیک ایک ایسا سائبان ہے، جس کے سائے تلے ہر جماعت اور ہر مزاج کے لوگ ستانے کے لئے آبیٹھتے ہیں۔

کانفرنس کی تیاریوں کے دوران جو چیز سب سے زیادہ حوصلہ افزا رہی وہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحقہ اٹھارہ ہزار دینی مدارس کے ذمہ داران کی اپنائیت اور محبت، کام کرنے کا بے لوث جذبہ اور انتھک محنت تھی۔ صرف مدارس کے ذمہ داران ہی نہیں بلکہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی حفظ سے لے کر درس نظامی تک کی کسی بھی سند کے حامل شخص نے وہ مرد تھا یا عورت، وہ حافظ تھا یا عالم، وہ مفتی تھا یا مدرس، وہ امام تھا یا خطیب اس نے اپنی تمام توانائیاں ”استحکام مدارس و پاکستان کانفرنس“ کی کامیابی کے لئے صرف کر ڈالیں، بلکہ ایک دلچسپ معاملہ یہ سامنے آیا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مدارس سے کسب فیض کرنے والے کئی ایسے لوگوں سے رابطہ ہوا جو صرف چند برس مدارس میں زیر تعلیم رہے پھر وہ اپنی تعلیم مکمل نہ کر پائے اور کسی اور شعبے کو اختیار کر لیا، مدارس سے برسوں سے کوئی رابطہ اور کوئی واسطہ نہیں رہا لیکن اس کانفرنس نے ان کا مدرسہ سے پرانا تعلق تازہ کر دیا اور وہ بھی اس کانفرنس کو اپنی کوئی گھریلو تقریب سمجھ کر اس میں شرکت کی تیاریاں کرنے لگے اور اس کی کامیابی کے لئے مصروف عمل ہو گئے۔ ایسے لوگ جو بیرون ملک مقیم ہیں وہ اپنے خرچ پر اس کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لانے کے منصوبے بنا رہے تھے بلکہ دیار غیر میں مقیم کئی لوگ کانفرنس کی وجہ سے پاکستان تشریف بھی لا چکے تھے، ایسے لوگ جو دور دراز کے دیہاتوں اور قصبوں گوٹھوں میں اپنی دینی مصروفیات میں لگے ہوئے تھے ان کی کارگزاری سن کر سیروں خون بڑھ جاتا تھا۔

”وفاق المدارس العربیہ پاکستان“ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی عظیم الشان ”استحکام مدارس و پاکستان کانفرنس“ کے انعقاد کا فیصلہ ایک ایسے وقت ہوا تھا جب پاکستان کے دینی طبقات میں مایوسی کا عالم تھا، جب خوف وہراس کی کیفیت تھی، جب لبرل ازم کو رواج دینے کے خواب دیکھے جا رہے تھے اور جب مدارس دینیہ کے گرد گھیرا تنگ کرنے کی کوشش کی جاری تھی ایسے میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے قائدین کی طرف سے پہلے ڈویژنز کی سطح پر کنونشنز کے انعقاد نے بیداری کی لہر پیدا کی اور پھر ملک گیر اجتماع کی کال سے ملک بھر کے مذہبی طبقات اور جذبات نے انگڑائی لی، وفاق المدارس کے قائدین نے سطحی ذہن اور جذباتی سوچ رکھنے والے لوگوں کی طرح نہیں بلکہ کمال دانشمندی سے ان جذبات کو دائمی اور سدابہار بنانے کا فیصلہ کیا امید ہے کہ اس کے دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی از حد ضروری ہے کہ ایک عرصے سے یہ کوشش کی جاتی رہی کہ مدارس کو اشتعال دلا کر تشدد کے راستے پر ڈالا جائے، مدارس اور قومی اداروں کے مابین تصادم اور کشمکش کی فضاء پیدا کی جائے اور مدارس کو پاکستان میں ایک اچھوت کی حیثیت دے دی جائے جبکہ دوسری طرف سے گاہے یہ بھی کہا جانے لگا کہ پاکستانی مدارس کے ساتھ ترکی جیسا تجربہ دہرایا جاسکتا ہے، ان مدارس کو دیوار کے ساتھ لگایا جاسکتا ہے یا تھوڑی سی محنت کے بعد ختم کیا جاسکتا ہے۔ ایسے میں ماضی کی طرح ایک مرتبہ پھر ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے قائدین نے پرامن انداز سے مدارس دینیہ کے متعلقین ومحبین کی پرامن افرادی قوت کے اظہار کا فیصلہ کیا، اس کی بھرپور تحریک چلائی، اس کے لئے سرتوڑ محنت کی اور جب مناسب سمجھا اس کے التواء کا اعلان کر کے اپنوں میں ایک تشفی اور دشمن پر رعب ودبدبہ کی کیفیت برقرار رکھی ہم سمجھتے ہیں کہ گزشتہ چند ماہ کے دوران ملک بھر میں منعقد ہونے والے اجتماعات اور مرکزی اجتماع کی تیاری کے لئے چلائی جانے والی مہم جہاں دینی دل اسلام پسند جوانوں، ارباب مدارس اور مذہبی طبقات کے لئے حوصلے اور عزم کی تقویت کا باعث بنی وہیں دینی مدارس کے خاتمے کے خواب دیکھنے والوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے بھی کافی ہے۔ اس لئے توقع کی جانی چاہئے کہ اب مدارس بارے غلط اندازے لگانے، غیر دانشمندانہ فیصلے کرنے اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنے سے گریز کیا جائے گا۔

آخر میں اس کانفرنس کے لئے محنت کرنے والے احباب کا تذکرہ نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہوگی۔ کانفرنس کے انعقاد کے فیصلے کے بعد اکابر نے جس طرح دعائیں دیں، شفقتوں سے نوازا، کانفرنس کے انتظامات میں قیمتی مشوروں سے نوازا وہ ہمارے لئے سب سے قیمتی سرمایہ تھا۔ مجھے ذاتی طور پر اللہ کی رحمت سے ہر پہلو پر بھرپور محنت کی توفیق ملی جس پر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدہ شکر بجالاتا ہوں کہ یہ سب محض اس کا کرم تھا۔ کانفرنس کی کامیابی کے لئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے قائدین نے شبانہ روز محنت کی، تمام صوبائی ناظمین نے تن من دھن کی بازی لگائی، تمام مسئولین (ضلعی ذمہ داران) نے دن رات ایک کر دیا۔ بالخصوص مولانا قاضی عبدالرشید نے پنجاب کا قریہ قریہ چھان مارا، علالت کے باوجود پے در پے سفر کرتے رہے، جنوبی پنجاب میں مولانا زبیر صدیقی نے ہر بستی کا دورہ کیا، خیبر پختونخواہ میں مولانا انوار الحق، مولانا حسین احمد اور مولانا اصلاح الدین حقانی اور ان کے رفقاء نے ایسے انداز سے محنت کی کہ قیام پاکستان کے وقت ہونے والے ریفرنڈم کے لئے اکابر کی محنت کی یادیں تازہ کر دیں، بلوچستان میں مولانا مفتی صلاح الدین، مولانا مفتی مطیع اللہ نے دن رات ایک کئے رکھا اور بلوچستان کے کٹھن ماحول میں بیداری پیدا کی، کراچی میں اکابر کی سرپرستی میں مولانا امداد اللہ نے اور اندرون سندھ میں مولانا قاری عبدالرشید صاحب نے ہلچل مچادی، آزاد کشمیر میں مولانا سعید یوسف اور مولانا قاضی محمود الحسن اشرف نے تمام مدارس کے ذمہ داران سے رابطے کئے اور دو سو سے زائد گاڑیوں کا قافلہ تیار کیا، ہماری میڈیا کمیٹی کے اراکین بالخصوص مولانا عبدالقدوس محمدی، مولانا مجیب الرحمن انقلابی، مولانا محمد ابراہیم سرگانی، عزیزم احمد حنیف جالندھری اور مولانا مفتی سراج الحسن نے جس طرح محنت کی، مسلسل خبریں چلائی جاتی رہیں، مضامین شائع ہوتے رہے، اسلام آباد، لاہور، کراچی، پشاور اور ملتان میں اخبار نویسوں سے رابطہ مہم جاری رہی، میں نے خود میڈیا کمیٹی کے اراکین کے ہمراہ تمام اہم میڈیا ہاؤسز کا دورہ کیا، اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں، سب نے کھلے دل سے خیر مقدم کیا، خصوصی کوریج کا وعدہ کیا، پرنٹ میڈیا نے کانفرنس کے موقع پر ایڈیشن اور مفت اشتہارات چھاپنے کے وعدے کئے، ہمارے میڈیا سینٹر نے پندرہ اخبارات کے لئے پورے پورے ایڈیشن کا مواد ترتیب دیا، ان پیج کی فائلیں اور فولڈر تیار کئے، سوشل میڈیا پر بھرپور مہم چلائی، ایسی ایسی دیدہ زیب، دلکش، سبق آموز پوسٹیں تیار ہوئیں کہ دل باغ باغ ہوگیا، میڈیا سینٹر نے سوشل میڈیا ایکٹیوسٹس کے لئے نیٹ ورکنگ کا اہتمام کیا، نوریہ میڈیا نے وڈیوز تیار کیں، ملک بھر میں مسلسل ٹیلی فون کالیں چلائی جاتی رہیں، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی دفتر میں مولانا عبدالمجید، چوہدری ریاض عابد، مولانا احمد عباس، مولانا محمد سیف اللہ ابرار اور ان کے رفقاء پوری محنت کے لئے بنیاد کا پتھر ثابت ہوئے، فیصل آباد کے دارالقرآن اور جامعہ امدادیہ کے اساتذہ وذمہ داران نے انتظامات اپنے ذمہ لئے رکھے، سرگودھا کے مولانا مفتی طاہر مسعود نے سکیورٹی کی ذمہ داری سنبھالی اور اس کی ترتیب بنائی، جامعہ اشرفیہ لاہور کے احباب بالخصوص حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم اور حافظ اسعد عبید صاحب نے جس خلوص ومحبت اور فیاضی سے کانفرنس کی میزبانی قبول کی، مہمانوں کی خاطر تواضع کی، لاہور ڈویژن کے مسئولین مولانا مفتی خرم یوسف اور مولانا مفتی عزیز الرحمن نے خود کو کانفرنس کے لئے وقف کئے رکھا الغرض ہر کسی نے اپنی بساط سے بڑھ کر محنت کی جس کا اللہ رب العزت سب کو اپنی شان کے مطابق اجر عطا فرمائیں۔ آمین۔

☆☆............☆☆

ظلم اور مکر و فریب کا دور دورہ

اوریا مقبول جان

کسی کو اندازہ ہے کہ اس گھر کے باسیوں پر کیا بیتتی ہے جب پولیس دندناتی ہوئی چاروں طرف سے اسے گھیر لیتی ہے، کچھ چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں، گلیوں کے کونوں پر بندوق بردار ناکے لگا لیتے ہیں۔ اس کے بعد چاک و چوبند اور مستعد جوان پستولیں تھامے ٹھڈے مارتے ہوئے دروازہ کھولنے کا اشارہ کرتے ہیں، اندر سے خوفزدہ لوگوں کا باپ، بیٹا، یا بھائی باہر آتا ہے، اسے گردن سے پکڑ کر دھکے دیتے ہوئے ایک جانب کیا جاتا ہے اور پھر یہ فاتحین گھر میں داخل ہوتے ہیں، کانپتے ہوئے اہل خانہ کو دھکیلتے ہوئے ایک جانب کیا جاتا ہے، خواہ ان میں اسی سال کی بڑھیا اور ایک ماہ کا بچہ کیوں نہ ہو، مکان کے کونوں کھدروں کی تلاشی لی جاتی ہے۔

سب کچھ ادھیڑ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ ملزم مل جائے تو واہ واہ، نہ ملے تو اہل خانہ میں سے اپنی پسند کے مطابق باپ، بھائی، بیٹا، بیوی، بہن، جس کو چاہا گاڑی میں ڈال کر تفتیش کے لئے تھانے لے جایا جاتا ہے۔ تھانے کی خوفناک فضا کا شاید کسی کو اندازہ نہیں اور اس بات کا بھی بہت کم لوگوں کو علم ہوتا ہے کہ کس طرح تھانے کے بڑے گیٹ بند کر لئے جاتے ہیں اور پھر صحن سے حوالات تک جاتے جاتے لاتوں، گھونسوں، ڈنڈوں اور بیدوں کی برسات شروع ہو جاتی ہے اور انہیں حوالات میں ایسے پھینکا جاتا ہے جیسے ذبح کرنے والی مرغیاں پنجروں میں۔ چند لمحے سانس لینے کے بعد یہ "عظیم اور ذہین" پولیس تفتیش کا آغاز کرتی ہے۔

یہ طریق کار اس قدر خوفناک اور اذیت ناک ہوتا ہے کہ روح کانپ اٹھتی ہے۔ اگر گھر سے بہت سے لوگوں کو اٹھایا ہوتا ہے تو ایک شخص کو ساتھ والے کمرے میں لے جایا جاتا ہے اور پھر اس کی دل دہلا دینے والی چیخیں اس کے باپ بھائی یا بیٹے تک حوالات میں پہنچتی ہیں۔ اگر پولیس کے وہ آلات تشدد عام لوگوں کے لئے نمائش کے طور پر رکھ دیے جائیں یا پھر ان کے طریقوں پر کوئی ڈاکومینٹری بنائی جائے تو لوگ خوف سے کانپ اٹھیں۔

ایک زمانہ تھا کہ پولیس کا یہ ظلم و تشدد اور بربریت کا لمحہ خاموشی سے بیت جاتا تھا۔ ملزم مل جاتا تھا یا پھر پتہ چل جاتا تھا کہ یہ ملزم نہیں، بلکہ پولیس سے غلطی ہو گئی اور پھر ان مظلوم اور مضروب اہل خانہ کو خاموشی سے گھر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ وہ بھی اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر چپ سے ہو جاتے۔ بس اسی بات پر شکر ادا کرتے تھے کہ عزت بحال ہو گئی۔

لیکن آج اذیت اور تکلیف ہزار گنا زیادہ ہو گئی ہے۔ اس ملک کے افق پر آزاد میڈیا بندوق سے بھی زیادہ خوفناک ہتھیار یعنی کیمرہ اٹھائے گھوم رہا ہے اور یہ اسقدر اخلاقیات سے عاری ہے کہ کسی بھی بے گناہ، شریف آدمی کی عزت نفس کو پامال کر کے، اسے ذلیل و رسوا کر کے بھاگ جاتا ہے۔ اس کو علم بھی ہو جائے کہ اس نے ایک ایسے گھر کی رسوائی اور بدنامی میں حصہ ڈالا، اسے بے آبرو کیا ہے پھر بھی خاموش ہو جاتا ہے۔

کبھی اپنا قصور مان کر معافی نہیں مانگتا۔ اس گھر کی عزت بحال نہیں کرتا۔ میڈیا اس معاملے میں متعصب بھی ہے، وہ جس کو چاہتا ہے کہ بے آبرو کرے اسی کو کرتا ہے اور جس ملزم بلکہ مجرم کا جرم چھپانا چاہے تو اس پر خاموشی کی چادر تان دیتا ہے۔ اسے معزز اور عزت دار بلکہ عوامی نمائندہ کہہ کر چپ کر جاتا ہے۔ گزشتہ چند دن پولیس کی اسی بدمعاشی اور میڈیا کی ملی بھگت کا شکار وہ گھرانا رہا ہے جس کے بارے میں پنجاب پولیس کے "مستعد" اور "چاک و چوبند" ماہرین نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمیں اقبال پارک کے خودکش بمبار محمد یوسف کا سر مل گیا ہے اور ساتھ ہی اس کا شناختی کارڈ بھی۔ فوری طور پر اس کے پتے پر مظفر گڑھ پر پولیس پارٹی اس طرح دندناتی ہوئی پہنچ گئی جیسے دنیا کے خطرناک ترین مجرم کو گرفتار کرنا ہے۔ اس کے چار بھائیوں اور ایک چچا کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کا والد ایک سبزی فروش تھا جو عمرے کی ادائیگی کے لئے حجاز گیا ہوا تھا۔

اب یہاں میڈیا میدان میں اترا۔ میڈیا کے لئے یہی کافی تھا کہ مرنے والے کے منہ پر داڑھی ہے اور اس کی شکل مولوی کی طرح ہے اور سونے پر سہاگہ یہ کہ اس کا والد عمرے پر گیا ہوا ہے۔ اسے کسی نے ملزم یا مجرم نہیں کہا سیدھا دہشت گرد کہہ دیا۔ اس کے بعد اس ملک کے "ذہین اور عالی دماغ" تبصرہ نگاروں، اینکر پرسنوں، رپورٹروں، تجزیہ نگاروں کا

ایک سیلاب آ گیا۔ کوئی اس کے مدرسے تک جا پہنچا، کوئی اس کے محلے میں کسی نوجوان کو کیمرے اور مائیک سے خوفزدہ کرتا رہا، تبصرہ نگاروں کی لن ترانیاں عروج پر تھیں۔ ''ہم تو پہلے کہتے تھے یہ جنوبی پنجاب دہشت گردوں کی پناہ گاہ بن چکا ہے۔'' یہاں کا ہر مدرسہ دہشت گردوں کی فیکٹری ہے۔ کوئی طالبان تک جا پہنچتا ہے اور کوئی فرقہ وارانہ تنظیموں تک، میڈیا باہر گرجتا رہا اور پولیس والے ان چار بھائیوں اور چچا پر تھانے میں برستے رہے اور اس مظلوم محمد یوسف کی لاش دفن ہونے سے بھی محروم رہی۔ بلکہ اس کی تصویروں پر تین دن لعنت ملامت ہوتی رہی۔ کوئی حقیقت بتانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ جھوٹ کے یہ ملکی ہیرو اپنے چینلوں پر یہاں تک کہتے رہے کہ اس نے دہشت گردی کی تربیت وانا سے حاصل کی تھی۔ اس دوران اس کے دوست محمد یعقوب نے ہمت کی اور بتایا کہ وہ تین دوست اس دن علامہ اقبال پارک سیر کرنے گئے تھے۔

وہ اسے آٹھ سال سے جانتا تھا اور وہ اس کے ساتھ تین ماہ سے چوبرجی میں ایک اکیڈمی میں لوگوں کو قرآن پاک کی آن لائن تعلیم دیتا تھا۔ پولیس نے کہا ہم نے غلط بیان دیا تھا لیکن اس کے بعد ان تجزیہ نگاروں، اینکر پرسنوں اور رپورٹروں کو سانپ سونگھ گیا۔ ایسا لگتا تھا ان کے گھر صف ماتم بچھ گئی ہو۔ سب اس معاملے سے ایسے غائب ہوئے جیسے مٹی ڈل اسپرے کے بعد غائب ہوتے ہیں۔

چار بھائی اور چچا نامعلوم مقام سے واپس آ گئے۔ کسی نے جا کر پوچھا تک نہیں کہ وہ کس اذیت سے گزرے۔ ان کے خاندان پر تین دن ایسی بدنامی اور رسوائی کو میڈیا نے مسلط کیا کہ وہ اپنے لخت جگر کا جنازہ تک اٹھانے کے قابل تک نہ تھے۔ پولیس نے تو اسے ملزم کہا تھا لیکن میڈیا نے تو اسے دہشت گردی گردان کر کے اس معاشرے کا گھٹیا ترین شخص ثابت کر دیا۔ کس قدر زعم ہے تمہیں اپنی تفتیشی صحافت پر اور کس قدر ناز ہے تمہیں اپنے آزاد ہونے پر۔ اگر ان تمام تجزیہ نگاروں کے خاندانوں پر ایسے چار دن بیتے ہوتے جیسے محمد یوسف کے گھر والوں پر گزرے تو میں دیکھتا ان میں کون ہوتا جو اس میڈیا کے خلاف نفرت بھرا ہوا کالم نہ لکھتا، تجزیہ نہ کرتا۔

لیکن میرے ملک کے میڈیا کا مسئلہ تفتیش، تحقیق یا حقائق کی کھوج نہیں ہے۔ اس کا مسئلہ ریٹنگ ہے۔ اسی محمد یوسف کے معاملے میں کتنے چینلوں کے پروگراموں کی ریٹنگ بڑھی ہوگی۔ ان اینکر پرسنوں کی تنخواہوں میں بھی شاید اضافہ ہو جائے۔ ریٹنگ کے بعد اس میڈیا کا دوسرا بڑا مسئلہ اسلام، مولوی اور داڑھی ہے۔ اسے بس ایک چھوٹی سی اطلاع ملنی چاہیے کہ خواہ وہ جھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ بھارت اس میڈیا کے تجزیہ نگاروں کا لاڈلا ہے۔

آج سے چند سال پہلے جب کوئی کہتا کہ یہاں تخریب کاری یا دہشت گردی بھارت کروا رہا ہے تو ہمیں طعنے دیتے، پہلے اپنا گھر صاف کرو، سب بھارت پر الزام لگاتے ہیں، ہمارے ہاں انتہا پسندی ہے، مولوی ہے، دہشت گردی ہے، میڈیا کے پاس ایک ای میل آتی ہے یا پھر کوئی چینل یہ اعلان کرتا ہے کہ فلاں واقعہ کی ذمے داری طالبان نے قبول کر لی اور پھر یہ دھڑا دھڑ اس اطلاع پر شروع ہو جاتے ہیں۔ کلبھوشن یادیو جو بھارتی را کا افسر پکڑا گیا، اس کے اعترافات سن لیں تو میڈیا کی کذب بیانیوں، جھوٹ اور مبالغہ بازی پر ہنسی آتی ہے۔

اس نے کہا ایس ایس پی اسلم کو میں نے مروایا۔ اس دن کے اخبار اٹھائیں، ٹی وی کے پروگراموں کی ریکارڈنگ دیکھیں اور پھر دیکھتے چلے جائیں، یہ ایس پی اسلم کے قتل سے شروع ہوئے اور پھر نصاب تعلیم میں شدت پسندی سے ہوتے ہوئے قرارداد مقاصد تک جا پہنچے اور ثابت کرتے رہے کہ یہاں یہ قتل وغارت اس لئے ہے کہ قرارداد مقاصد میں اسلام اس ملک کا مذہب قرار دیا گیا۔ کلبھوشن یادیو نے سانحہ صفورا گوٹھ کا جرم مانا، فرقہ وارانہ دہشت گردی کا اقبال کیا۔ صفورا گوٹھ کے زمانے کا میڈیا اٹھائیں۔ اگر اس میں کسی کو بھارت کا نام مل جائے تو اس شخص کو عالمی ریکارڈ سے نوازنا چاہیے۔

سب کی زبانیں اسلام، مولوی، دہشت گرد، طالبان اور مدرسوں پر برس رہی تھیں۔ پھر پتہ چلا یہ تو یونیورسٹیوں کے طالب علم ہیں، ذرا خاموش ہوئے، مدرسے اور طالبان نکل گئے لیکن اسلام اور شدت پسندی باقی رہ گئی۔ ان کا لاڈلا بھارت پھر بھی سامنے نہ آیا۔ یہ کس بلا کے لوگ ہیں جس ملک کا کھاتے ہیں اسی کے دشمن سے محبت کرتے ہیں، جس کشتی میں بیٹھتے ہیں اسی میں سوراخ کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''دجال کے خروج سے پہلے چند سال دھوکا اور فریب کے ہوں گے، سچے کو جھوٹا بنا دیا جائے گا اور جھوٹے کو سچا بنا دیا جائے گا۔ خیانت کرنے والے کو امانت دار بنا دیا جائے گا اور امانت دار کو خیانت کرنے والا قرار دیا جائے گا اور ان میں رویبضہ بات کریں گے۔ پوچھا گیا رویبضہ کون ہیں؟ فرمایا: گھٹیا لوگ جو لوگوں کے اہم معاملات میں گفتگو کریں گے (مسند احمد، مسند ابی یعلی، السنن الواردۃ فی الفتن)۔ رات کو آپ کوئی بھی چینل کھول کر دیکھ لیں۔ آپ پہچان لیں گے۔ رویبضہ کون ہیں اور کیسے بولتے ہیں۔

☆☆..........☆☆

جامع اور مؤثر نظام تعلیم کی ضرورت

۵رجمادی الثانیہ ۱۴۳۷ھ (۱۵ر مارچ ۲۰۱۶ء) پیر کے روز جامعہ دارالعلوم کراچی کے تعلیمی شعبے حراء فاؤنڈیشن اسکول میں طلبہ کے تکمیل حفظ قرآن کریم کے موقع پر ''ادائے شکر'' کے عنوان سے ایک باوقار تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں ممتاز علماء کرام اور ماہرین تعلیم ومعاشیات نے بھی شرکت فرمائی۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے نظام تعلیم کے حوالے سے اس موقع پر جو خطاب فرمایا وہ بہت ہی جاندار، چشم کشا اور بصیرت افروز تھا۔ جس میں حضرت نے راہنمائی کے لئے عمدہ خطوط کی نشاندہی فرمائی ہے۔ یہ خطاب ان کی نظر ثانی اور مناسب ترمیم واضافہ کے بعد ذیل میں شائع کیا جارہا ہے۔ حق تعالیٰ استفادے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم ! اما بعد

مجھے احساس ہے کہ آپ حضرات کافی دیر سے اس تقریب میں شریک ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان شاء اللہ جو وقت اس تقریب میں شرکت کا گذرا ہے وہ یقیناً آپ حضرات کے لئے روح پرور ثابت ہوا ہوگا۔ اب وقت خاصا ہوچکا ہے، کھانے کا بھی انتظام ہے، میں آپ کے صبر وبرداشت کا زیادہ امتحان لینا نہیں چاہتا لیکن بہت اختصار کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حراء فاؤنڈیشن اسکول، جس کی حفظ قرآن کریم کی تقریب میں آج ہم اور آپ شریک ہیں، کا پس منظر کیا ہے؟

یہ بات حضرت رئیس الجامعہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے مختلف نشستوں میں اور مختلف مواقع پر دہرائی اور مجھے بھی اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات کئی جگہ سنانے کی توفیق ہوئی، حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ نے ایک موقع پر پاکستان کے عمومی نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے ارکان حکومت سے فرمایا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ہمیں درحقیقت ایک نئے نظام تعلیم کی ضرورت ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے تین بڑے نظام ہندوستان کے اندر معروف تھے۔ ایک دارالعلوم دیوبند کا نظام تعلیم، ایک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا نظام تعلیم اور ایک دارالعلوم ندوۃ العلماء کا نظام تعلیم۔ حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ نے تقریباً ۱۹۵۰ء میں ارشاد فرمایا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد درحقیقت ہمیں ملکی سطح پر نہ علی گڑھ کے نظام تعلیم کی ضرورت ہے نہ ندوۃ کے نظام تعلیم کی ضرورت ہے اور نہ دیوبند کے نظام تعلیم کی ضرورت ہے بلکہ ہمیں ایک چوتھے نظام تعلیم کی ضرورت ہے، جو اسلاف کی تاریخ سے مربوط چلا آرہا ہے، بظاہر سننے والوں کو یہ بات بڑی تعجب خیز معلوم ہوتی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کا مفتی اعظم اور دارالعلوم دیوبند کا ایک سپوت یہ کہے کہ ہمیں پاکستان میں ملکی سطح پر دیوبند کے نظام تعلیم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمیں ایک نئے نظام تعلیم کی ضرورت ہے۔ یہ تین نظام تعلیم جو انڈیا میں رائج تھے ان کے بارے میں مرحوم اکبرالہ آبادی نے یہ تبصرہ کیا تھا کہ

قلب بیقراں ہے مثال دیوبند
اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
اب علی گڑھ کی بھی تم تمثیل لو
اک معزز پیٹ تم اس کو کہو

حضرت والد ماجد قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے جو بات ارشاد فرمائی وہ درحقیقت بہت گہری بات ہے اور اس کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں ہمارے ہاں بڑی بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔

یہ تین نظام تعلیم جو ہندوستان کے اندر جاری تھے وہ درحقیقت انگریز کے لائے ہوئے نظام کا ایک نتیجہ تھے انگریز کی لائی ہوئی سازشوں کا ردعمل تھے ورنہ اس سے پہلے اگر آپ مسلمانوں کے صدیوں پر محیط نظام تعلیم پر غور کریں اور اس کو دیکھیں تو اس میں مدرسہ اور اسکول کی کوئی تفریق نہیں ملے گی وہاں شروع سے لے کر استعمار کے زمانے تک مسلسل یہ صورت حال رہی ہے کہ مدارس یا جامعات بیک وقت دینی تعلیم بھی دیتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی اور صورت حال یہ تھی کہ شریعت نے جو بات مقرر کی ہے کہ جہاں تک عالم بننے کا تعلق ہے، تو عالم بننا ہر آدمی کے لئے فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے یعنی اگر ضرورت کے مطابق کسی بستی میں کسی ملک میں علماء تیار ہوجائیں تو باقی سب لوگوں کی طرف سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے۔ لیکن دین کی بنیادی معلومات حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔

سابقہ ادوار میں قائم ان مدارس میں فرض عین

کی تعلیم بلاامتیاز ہر شخص کو دی جاتی تھی البتہ جس کو علم دین میں اختصاص حاصل کرنا ہوتا اس کے لئے مواقع میسر تھے اور جو کسی عصری علم کے اندر اختصاص حاصل کرنا چاہتا ۔اس کے مواقع الگ دستیاب تھے۔

میں گزشتہ سال مراکش گیا تھا اور برادر معظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس سال مراکش تشریف لے گئے تھے۔ مراکش آج جس ملک کو کہا جاتا ہے اس کو انگریزی میں Morroco کہتے ہیں اور عربی میں اس کو المغرب کہا جاتا ہے۔اس کے ایک شہر کا نام فاس ہے ۔میں پچھلے سال اس شہر میں گیا تھا اور حضرت بھی اس سال وہاں تشریف لے گئے تھے وہاں جامع القرویین کے نام سے ایک ادارہ ہے جو آج تک کام کر رہا ہے۔ اگر ہم اسلامی تاریخ کی مشہور اسلامی جامعات کا جائزہ لیں تو چار اہم اسلامی جامعات ہماری تاریخ میں نظر آتی ہیں ان میں سب سے پہلی جامعہ القرویین ہے ۔دوسری تیونس کی جامعہ زیتونیہ ہے تیسری مصر کی جامعہ الازہر ہے اور چوتھی دارالعلوم دیوبند ہے۔تاریخ کی ترتیب اس طرح ہے۔

اس میں سب سے پہلی یونیورسٹی جامع القرویین جو فاس کے اندر قائم ہوئی وہ تیسری صدی ہجری کی یونیورسٹی ہے ۔اور اس تیسری صدی کی یونیورسٹی کے بارے میں تاریخ کے کتابچہ میں دعویٰ کیا گیا ہے اور ابھی تک اس کی کوئی تردید میرے سامنے نہیں آئی کہ یہ صرف عالم اسلام ہی کی نہیں بلکہ ساری دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے۔کیا معنی؟ کہ اس وقت جامع القرویین کے اندر جو علوم پڑھائے جاتے تھے ان علوم میں اسلامی علوم تفسیر،حدیث،فقہ اور اس کے ساتھ ساتھ طب،ریاضی،تاریخ،فلکیات سارے علوم جن کو آج عصری علوم کہا جاتا ہے وہ سارے علوم پڑھائے جاتے تھے۔ابن خلدونؒ نے وہاں درس دیا ،ابن رشدؒ نے وہاں درس دیا قاضی عیاضؒ نے وہاں درس دیا، اسلاف کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے وہاں درس دیا اور ان کی جگہیں آج بھی محفوظ ہیں کہ یہ جگہ وہ ہے جہاں ابن خلدونؒ درس دیا کرتے تھے یہ جگہ وہ ہے جہاں ابن رشدؒ درس دیا کرتے تھے یہ جگہ وہ ہے جہاں قاضی عیاضؒ نے درس دیا ہے یہاں ابن عربی مالکیؒ نے درس دیا ہے یہ سب جگہیں محفوظ ہیں۔یہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے۔مدارس تو چھوٹے چھوٹے ہر جگہ ہوں گے لیکن جامع القرویین ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتی تھی جس میں تمام عصری،دینی و دنیاوی علوم پڑھائے جاتے تھے اور اس میں آج بھی اس زمانے یعنی تیسری صدی اور چوتھی صدی کی جو سائنٹفک ایجادات ہیں ان کے نمونے رکھے ہوئے ہیں کہ اس زمانے میں اسی جامع القرویین سے لوگوں نے جو ایجادات کی ہیں ،گھڑی وغیرہ ،ان ایجادات کے نمونے آج بھی وہاں موجود ہیں۔

تصور کیجئے کہ یہ تیسری صدی ہجری کی یونیورسٹی ہے اور اسلامی علوم کے بادشاہ بھی وہیں سے پیدا ہوئے ابن رشد فلسفی وہیں سے پیدا ہوئے اور وہیں سے بڑے بڑے سائنسدان بھی پیدا ہوئے،تو ہوتا کیا تھا کہ جتنا علم فرض عین ہے وہ تو سب کو اکٹھا دیا جاتا تھا اور اس کے بعد اگر کسی کو علم دین کے اندر اختصاص حاصل کرنا ہے تو وہ علم دین کے درس ای جامع القرویین کے اندر پڑھے گا اور اسی میں ریاضی پڑھانے والا ہے تو ریاضی بھی وہاں پڑھا رہا ہوگا۔ طب پڑھانے والا ہے تو طب بھی وہاں پڑھا رہا ہوگا یہ سارا کا سارا نظام اس طرح چلا۔

جامع القرویین اس طرح چلی،جامع زیتونہ اسی طرح چلی اور جامع الازہر اسی طرح چلی،یہ تینوں یونیورسٹیاں ہی ہمارے قدیم ماضی کی یونیورسٹیاں ہیں ان میں اس طرح تعلیم دی گئی کہ دینی اور عصری دونوں چیزیں اس طرح ساتھ ساتھ چلیں کہ ایک ہی چھت کے نیچے سارے علوم پڑھائے جاتے تھے۔

اس میں آپ یہ دیکھیں گے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو حدیث اور سنت کے امام ہیں ان کا حلیہ دیکھ لیجئے ،اور ابن خلدونؒ جو فلسفہ و تاریخ کے امام ہیں ان کا حلیہ دیکھ لیجئے دونوں کو دیکھنے میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا کہ یہ دین کا عالم ہے یہ دنیا کا عالم ہے۔ان کا حلیہ ان کی ثقافت،ان کا طرز زندگی ان کا طرز کلام سب یکساں ہے، ہمارے جو مشہور سائنس دان گزرے ہیں فارابی، ابن رشد اور ابو ریحان البیرونی،ان سب کا حلیہ دیکھ لیجئے پھر محدثین اور فقہاء کا حلیہ دیکھ لیجئے دونوں کا حلیہ ایک جیسا ہی نظر آئے گا۔

اگر وہ نماز پڑھتے ہیں تو یہ بھی نماز پڑھتے ہیں اگر ان کو نماز کے مسائل معلوم ہیں تو ان کو بھی ضروری حد تک معلوم ہیں اگر ان کو روزہ کے مسائل معلوم ہیں تو ان کو بھی معلوم ہیں بنیادی تعلیمات جو ہر انسان کے لئے فرض عین ہیں وہ یہ ہر انسان جانتا تھا اور اس یونیورسٹی میں وہ ساری چیزیں پڑھائی جاتی تھیں۔

تفریق یہاں سے پیدا ہوئی کہ انگریز نے آ کر ایک سازش کے تحت ایک ایسا نظام تعلیم جاری کیا جس سے دین کو دیس نکالا دے دیا گیا اس وقت ہمارے اکابر مجبور ہوئے کہ وہ مسلمانوں کے دین کے تحفظ کے لئے کم از کم جو فرض کفایہ ہے اس کا تحفظ کر لیں ۔اور ایسے علماء پیدا کریں جو دینی علوم میں دسترس حاصل کر کے عام مسلمانوں کو دین سے آگاہ کریں۔اور جو کام عام درس گاہوں کے کرنے کا تھا، وہ خود انجام دے کر مسلمانوں کے دین کا تحفظ کریں۔ اس کے لئے انہوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا جس نے الحمد للہ وہ عظیم خدمات انجام دیں جن کی تاریخ

میں نظیر ملنی مشکل ہے۔

تو اگر پاکستان صحیح معنی میں اسلامی ریاست بنتا اور صحیح معنی میں اس کے اندر اسلامی احکام کا نفاذ ہوتا تو اس صورت میں بقول والد ماجد" ملکی سطح کے نظام تعلیم کے لئے ہمیں نہ علی گڑھ کی ضرورت تھی نہ ندوہ کی، نہ دارالعلوم دیوبند کی، ہمیں جامع القرویین کی ضرورت تھی، ہمیں جامع زیتونہ کی ضرورت تھی جہاں سارے کے سارے علوم اکٹھے پڑھائے جائیں اور سب دین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، چاہے وہ انجینئر ہو، چاہے وہ ڈاکٹر ہو، چاہے کسی بھی شعبۂ زندگی سے وابستہ ہو وہ دین کے رنگ میں رنگا ہوا ہو لیکن ایک ایسا نظام تعلیم لاکر ہم پر لاد دیا گیا جس نے ہمیں سوائے ذہنی غلامی کے کچھ نہ دیا، اکبر الہ آبادی نے صحیح کہا تھا کہ:

اب علی گڑھ کی بھی تمثیل لو
اک معزز پیٹ تم اس کو کہو

صرف پیٹ بھرنے کا ایک راستہ نکالنے کے لئے یہ نظام تعلیم لایا گیا اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی پوری تاریخ اور ورثہ تباہ کردیا گیا نتیجہ یہ نکلا کہ آج اس نئے نظام تعلیم کے ذریعے جو زبردست فرق واقع ہوئے، ان میں ایک تو یہ کہ جو فرد اس نظام تعلیم سے پیدا ہورہا ہے اس کو دین کے بنیادی فرائض کا بھی پتا نہیں ہے وہ نہیں جانتا کہ فرض عین کیا ہے؟ دوسرے اس طرح کے افکار مسلط کردیے گئے کہ اگر عقل اور ترقی چاہتے ہو تو اس کے لئے صرف اور صرف مغرب کی طرف دیکھنا ہوگا۔ تیسرے اس کی ثقافت بدل دی گئی سب کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی کہ اگر ترقی چاہتے ہو تو وہ صرف مغربی افکار میں ملے گی، مغربی ماحول میں ملے گی، مغربی انداز میں ملے گی اور افسوس یہ ہے کہ اس نئے نظام تعلیم سے جو لوگ گریجویٹ یا ڈاکٹر یا پروفیسر بن کر پیدا ہوتے ہیں وہ ہم جیسے طالب علموں پر روزانہ تنقید کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کردیا ہے، یہ اجتہاد نہیں کرتے۔

اجتہاد فقہ قرآن وسنت کے اندر تو بلاشبہ ممتاز علمی استعداد پر مبنی عجیب چیز تھی لیکن دوسری طرف ان عصری تعلیمی اداروں میں ایک ایسی چیز ہے جس کے لئے اجتہاد کا دروازہ چاروں طرف چوپٹ کھلا ہوا تھا، وہ تھی سائنس، وہ تھی ٹیکنالوجی اور ریاضی، وہ تھے علوم عصریہ۔ ان میں تو کسی پر اجتہاد کا دروازہ بند نہیں تھا۔ علی گڑھ کے نظام تعلیم کے ذریعے اور اس نئے نظام تعلیم کے ذریعے آپ نے کیوں ایسے مجتہد پیدا نہیں کئے جو مغرب کے سائنسدانوں کا مقابلہ کرسکتے۔ اس میں آپ نے ایسے مجتہد کیوں پیدا نہیں کئے جو سائنسی تحقیقات میں اجتہاد کرکے طب میں نئے راستے نکالتے جو فلکیات میں نئے راستے نکالتے۔ اجتہاد کا دروازہ جہاں چوپٹ کھلا ہوا تھا وہاں تو آپ نے کوئی قابل ذکر اجتہاد کیا نہیں، اور جہاں قرآن وسنت کی پابندی ہے کہ قرآن وسنت کے حدود کے اندر رہ کر ہی اجتہاد کرنا ہوتا ہے وہاں آپ کو شکایت ہے کہ علماء کرام اجتہاد کیوں نہیں کرتے۔

ابھی کچھ دن پہلے مجھے کسی صاحب نے کلپ دکھایا جس میں ایک تو تعلیم یافتہ صاحب ایک عالم دین سے یہ سوال کررہے تھے کہ مولانا! یہ بتائیے کہ علماء کرام کی دینی خدمات اپنی جگہ لیکن یہ کیا بات ہے کہ مسلمانوں میں عالمی سطح کا کوئی سائنسدان پیدا نہیں ہوا، کوئی نئی ایجاد نہیں ہوئی؟ علماء کرام کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

بندۂ خدا! یہ سوال تو آپ اپنے آپ سے کرتے کہ ہمارے نظام تعلیم کے اندر آیا کوئی ایسا مجتہد ہوا جس نے کوئی نئی ایجاد کی ہو؟ لیکن وہاں تو دروازے اجتہاد کے اس طرح بند ہیں کہ جو انگریز نے کہہ دیا، یا مغرب نے کہہ دیا بس وہ نظریہ ہے، اس نے جو دوا ایجاد کی وہ دوا دوا ہے، اس نے اگر کسی چیز کو صحت کے لئے مضر کہہ دیا تو وہ مضر ہے، ہر معاملہ میں اسی کی بات حرف آخر ہے۔ اب انڈہ کی زردی کو سالہا سال سے کہا جارہا تھا کہ یہ کولیسٹرول پیدا کرتی ہے اور امراض قلب کے لئے مضر ہوتی ہے۔ لیکن آج ہر ڈاکٹر یہ کہہ رہا ہے کہ انڈے کی زردی کھاؤ اس سے کچھ نہیں ہوتا کیوں؟ اس لئے کہ اب مغرب سے یہ پیغام آگیا ہے اس لئے آپ نے اس کو قبول کرلیا۔

ہمارے اس ملک کے اندر بے شمار جڑی بوٹیاں پھیلی ہوئی ہیں ان پر بھی آپ نے تحقیق کی ہوتی۔ آپ نے کوئی نتیجہ نکالا ہوتا کہ یہ جڑی بوٹیاں کن امراض میں فائدہ مند ہوتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلونجی کے فوائد بیان فرمائے تھے اس پر کوئی تحقیق کی ہوتی، وہاں تو اجتہاد کا دروازہ مکمل بند ہے اور اس میں کوئی تحقیق کا راستہ نہیں ہے اور قرآن وسنت میں اجتہاد کا مطالبہ ہے۔ تو یہ ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے جس نے ہمیں اس نتیجہ تک پہنچایا۔

اس نظام تعلیم کا دوسرا نقصان یہ ہوا کہ اس میں تصورات بدل دیے، پہلے علم کا تصور اعلیٰ تھا جس کا مقصد معاشرے کی خدمت تھی مخلوق کی خدمت تھی یہ اصل مقصود تھا اس کے تحت اگر معاشی فوائد بھی حاصل ہوجائیں تو وہ ثانوی حیثیت رکھتے تھے لیکن آج معاملہ الٹا ہوگیا ہے، علم کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے، علم کا مقصد یہ ہے کہ اتنا علم حاصل کرلو جس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی جیب سے پیسے نکال سکو۔ تمہارا علم اس وقت کارآمد ہے جب تم لوگوں سے زیادہ سے زیادہ پیسہ کماسکو جو لوگ پڑھ رہے ہیں گریجویشن کررہے ہیں، ماسٹر اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں لے رہے ہیں ان کے ذہن پڑھ کر دیکھو، کیوں پڑھ رہے ہیں؟ اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ

کیریئر اچھا ہو، اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ اچھی ملازمتیں ملیں۔ اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ پیسے زیادہ ملیں۔ تعلیم کی ساری ذہنیت بدل کر یہ کر دی کہ علم کا مقصد پیسہ کمانا ہے۔ معاشرے کی کوئی خدمت کرنی ہے، مخلوق کی کوئی خدمت کرنی ہے اس کا کوئی تصور اس موجودہ نظام تعلیم کے اندر نہیں ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص پیسہ کمانے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے، اس کو نہ وطن کی فکر ہے نہ ملک وملت کی فکر ہے۔ نہ مخلوق کی خدمت کرنے کا کوئی جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے بلکہ دن رات وہ اسی دوڑ دھوپ میں مگن ہے کہ پیسے زیادہ بنے چاہئیں الا ماشاءاللہ نتیجہ یہ کہ بدعنوانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ مستثنیات ہر جگہ ہوتے ہیں، یہاں بھی ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی موجودہ نظام تعلیم کے تحت جو لوگ تیار ہو رہے ہیں بتایئے انہوں نے مخلوق کی کتنی خدمت کی ہے کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچایا ہے، ہمیں تو پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی تھی کہ: "اللھم لاتجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایة رغبتنا"... اے اللہ! دنیا کو ہمارے لئے ایسا نہ بنایئے کہ دھیان دنیا ہی کی طرف رہے نہ ہمارے علم کا سارا مبلغ، دنیا ہی ہو کر رہ جائے اور نہ ہماری ساری رغبتوں اور شوق کا مرکز دنیا ہو کر رہ جائے... لیکن اس نظام تعلیم نے کایا پلٹ دی، تو درحقیقت حضرت والد ماجد نے جو بات فرمائی تھی اس کا منشا یہ ہے کہ استعمار کے بعد، انگریز کی غلامی کے بعد جو کایا پلٹی ہے اب اس کا علاج یہ ہے کہ اس کو پلٹ کر دوبارہ اس طرف جائیں، جو راستہ جامع القرویین نے دکھایا جو جامع زیتونہ نے دکھایا اور جو ابتدائی دور میں جامع ازھر نے دکھایا، ابتدائی دور کی بات اس لئے کر رہا ہوں کہ اب ان اداروں کو بھی استعمار کے زہر نے متاثر کر دیا ہے۔

پاکستان میں چونکہ حکومتی سطح پر وہ نظام قائم نہ ہو سکا لہٰذا مجبوراً جو دارالعلوم دیوبند کا نظام تھا کہ کم از کم علوم نبوت کا تحفظ تو ہو، اس غرض سے مدارس الحمدللہ قائم ہوئے اور الحمدللہ انہوں نے نامساعد حالات میں عظیم خدمات انجام دیں۔ جب تک ہمیں ان حکمرانوں پر اور نظام حکومت پر اور ان کے بنائے ہوئے قوانین پر بھروسہ نہیں ہو جاتا اور مستقبل قریب میں بھروسہ ہونے کی امید بھی نہیں ہے۔ اس وقت تک ہم ان مدارس کا تحفظ کریں گے اور ان مدارس کو اسی طرح برقرار رکھیں گے جس طرح ہمارے اکابر نے دیوبند میں ان کی بنیاد قائم کی تھی۔ ان پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے کیونکہ مسلمانوں کے دین کا تحفظ ان پر موقوف ہو گیا ہے اس کے علاوہ اگر ملک کا مجموعی تعلیمی نظام درست ہو بھی جائے، تو اختصاصی تعلیم گاہوں کی حیثیت سے ان کی ضرورت واہمیت بہرحال برقرار رہے گی لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جو کام حکومتی سطح پر نہیں ہو سکا کہ عام نظام تعلیم میں دین سمویا ہوا ہو، وہ رفتہ رفتہ ہم اپنے مدارس کے ذریعے انجام دینے کی کوشش کریں۔ اور انہی مدارس کے ماحول میں عصری مضامین اس طرح پڑھانے کی کوشش کریں جو دین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، الحمدللہ پاکستان کے اندر دینی مدارس کی تعداد بقدر ضرورت اچھی ہو گئی ہے لیکن یہ مدارس فرض کفایہ کی تعلیم دے رہے ہیں ان کا اگر تناسب دیکھا جائے تو مشکل سے ایک فیصد ہو گا لیکن ننانوے فیصد قوم کی آبادی جس نظام کے تحت تعلیم پا رہی ہے، اس کی وجہ سے وہ ذہنی غلام بن رہی ہے میں حرا، فاؤنڈیشن اسکول کے اساتذہ اور معلمات سے کئی مرتبہ خطاب میں یہ بات کہہ چکا ہوں اور کہتا رہتا ہوں کہ آپ کا اصل مقصد یہ ہے کہ خدا کے لئے ہماری اس نسل کو اس ذہنی غلامی سے نکالئے، آپ کو بچوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانی ہے کہ ہم الحمدللہ ایک آزاد قوم ہیں ہم ایک آزاد سوچ رکھتے ہیں ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی سوچ رکھتے ہیں اور یہ جو ذہنی غلامی کا تصور پھیلایا گیا ہے کہ جو کچھ ہو گا وہ مغرب سے آئے گا اور مغربی افکار اس میں پروان چڑھیں گے خدا کے لئے نئی نسلوں کے ذہنوں سے اس تصور کو مٹایئے اور ان کے اندر اسلامی ذہنیت پیدا کیجئے اس مقصد کے لئے ہم نے یہ ادارہ قائم کیا۔ مغربی نظام میں کچھ چیزیں بری ہیں کچھ چیزیں اچھی ہیں اچھی چیزوں کو لے لو اور بری چیزوں کو پھینک دو، خذ ما صفا ودع ما کدر، اقبال مرحوم نے ایسے حسین تبصرے کئے ہیں جو قوم کے لئے مشعل راہ ہیں۔ مغرب کی جو ترقی کہیں سے کہیں پہنچی ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کئی شعر کہے ہیں جو ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ:

قوت مغرب نہ از چنگ ورباب
نے ز رقص دختران بے حجاب

مغرب کی طاقت نہ تو اس وجہ سے ہوئی کہ وہاں موسیقی کے آلات تھے نہ اس وجہ سے ہوئی کہ وہاں بے پردہ عورتیں رقص کرتی تھیں۔

نے ز سحر ساحران لالہ روست
نے ز عریاں ساق ونے از قطع موست

نہ اس وجہ سے ہوئی کہ وہاں حسین عورتیں بہت پھرتی ہیں، انہوں نے ٹانگیں ننگی کر رکھی ہیں اور اپنے بال تراش رکھے ہیں، ترقی اس وجہ سے نہیں ہوئی۔

قوت افرنگ از علم وفن است

فرنگ کی اگر قوت ہوئی ہے تو وہ علم وفن میں محنت کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔

از ہمیں آتش چراغش روشن است

اسی آگ سے اس کا چراغ روشن ہے۔

اور پھر آخر میں ایک خوبصورت شعر کہا ہے:

حکمت از قطع و برید جامہ نیست

یعنی کپڑوں کی قطع و برید سے اور تراش خراش سے علم حاصل نہیں ہوتا کہ کوٹ پتلون پہن لیا تو ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ہو گئے اور اگر شلوار قمیص پہن لیا تو پسماندہ اور ترقی سے دور ہو گئے۔ کپڑوں کی تراش خراش سے حکمت نہیں آیا کرتی۔

مانع علم و ہنر عمامہ نیست

اگر عمامہ پہن لو گے تو اس سے علم و ہنر میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ تم نے کن ظواہر کو یہ سمجھا ہوا ہے کہ مغرب کو قوت ان سے حاصل ہوئی ہے اور اس کے نتیجے میں اپنی نسلوں کو ان کے پیچھے چلا رہے ہو۔

حقیقت میں مغرب کو ترقی علم و ہنر میں محنت کرنے سے حاصل ہوئی، تم اپنی دینی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے علم و ہنر میں محنت کرو گے تو تم بھی ترقی حاصل کر سکتے ہو، لیکن دنیا کا علم و ہنر بے دین افکار پر موقوف نہیں ہے، نہ اس بات پر موقوف ہے کہ تم اپنے طرز زندگی کو بھی پوری طرح مغرب کے سانچے میں ڈھال لو جیسا کہ تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم علم و ہنر کے میدان میں بھی آزاد سوچ سے محروم ہو۔ اسی حقیقت کو بھی اقبال مرحوم نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس کے یہ اشعار ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہونے چاہئیں۔ وہ مغرب زدہ حضرات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

علم غیر آموختی، اندوختی
روئے خویش از غازہ اش افروختی

"تم نے دوسروں کا علم حاصل کر کے اپنا سارا ذخیرہ اسی کو بنالیا ہے اور اپنے چہرے کو انہی کے غازے (سرخی) سے روشن کر رکھا ہے۔"

ارجمندی از شعارش می بری
من نہ دانم، تو توئی یا دیگری

"انہی کی امتیازی علامتیں اختیار کر کے فخر کرتے ہو، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم تم ہو، یا کوئی اور ہو۔"

عقل تو زنجیری افکار غیر
در گلوئے تو نفس از تار غیر

تمہاری عقل دوسروں کے افکار کی زنجیر میں بندھی ہوئی ہے اور تمہارے گلے میں سانس بھی دوسروں کے تار سے آتا ہے۔

بر زبانت گفتگوھا مستعار
در دل تو آرزوھا مستعار

تمہاری زبان پر جو گفتگو آتی ہے، وہ بھی دوسروں سے مانگی ہوئی ہے اور تمہارے دل میں جو آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں، وہ بھی مانگی ہوئی ہیں۔

آں نگاہش سر ما زاغ البصر
سوئے قوم خویش باز آید اگر

وہ ذات گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی نگاہ کے بارے میں (قرآن نے فرمایا ہے کہ) وہ کبھی ٹیڑھی نہیں ہوئی اگر اپنی قوم کے پاس دوبارہ تشریف لے آئے:

لست منی گویدت مولائے ما
وائے ما، اے وائے ما، اے وائے ما

تو وہ ہمارے مولیٰ تمہیں دیکھ کر یہ فرمائیں گے کہ "تم میرے نہیں ہو" ہائے ہماری محرومی، ہائے ہماری محرومی، ہائے ہماری محرومی!

اس ہولناک انجام سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ہمیں عصری علوم کی تعلیم کے لئے بھی ایسی درسگاہیں چاہئیں جو ہر علم و فن کی اعلیٰ تعلیم دیں، لیکن مغرب کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو کر دیں، اپنی دینی روایات کو برقرار رکھ کر دیں۔

جامعہ دارالعلوم کراچی نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے دارالعلوم ہی کے ماحول میں پہلے ایک اردو میڈیم اسکول حضرت والد صاحب قدس سرہ کے زمانے میں ہی قائم کر دیا تھا، اور اب حراء فاؤنڈیشن اسکول کے نام سے انگلش میڈیم اسکول قائم کیا ہے، اور اس کے نصاب و نظام کو مسلمانوں کی دینی ضروریات کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، اور نصاب و نظام میں مزید بہتری کی کوششیں مسلسل جاری ہیں۔ اگر چہ ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ بچوں کو تعلیم ان کی مادری زبان میں دینی چاہئے، لیکن چونکہ ایک وبا چل پڑی ہے، اور جو خاندان اس سے متاثر ہیں اور اپنے بچوں کو انگلش میڈیم ہی میں پڑھانا چاہتے ہیں، ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہم نے اسے انگلش میڈیم ضرور رکھا ہے، لیکن اس کے ساتھ الحمد للہ قرآن کریم حفظ و ناظرہ کی تعلیم پورے اہتمام سے دی جاری ہے، جیسا کہ آپ نے بچوں کے مظاہرے میں دیکھا، نیز عربی زبان بھی سکھائی جاری ہے، اور اردو کو بھی اچھے معیار کے ساتھ پڑھایا جا رہا ہے، اس کے علاوہ بچوں کی دینی تربیت کا بھی اہتمام ہے۔

عزیزم مولانا عمران اشرف سلمہ چونکہ میرے بیٹے ہیں، اس لئے ان کے لئے تعریفی کلمات کہنے میں مجھے تکلف ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے دن رات کھپا کر انتہائی عرق ریزی کے ساتھ جس طرح دارالعلوم کے اس شعبے کے لئے محنت کی ہے۔ اور ان کے رفقاء، بالخصوص مولانا نجیب صاحب نے ان کے ساتھ مل کر اسے پروان چڑھانے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہماری نیتوں میں بھی اخلاص پیدا فرمائے ہمارے طریقۂ عمل میں بھی اللہ تعالیٰ سلامتی عطا فرمائے اور ہر طرح کے شرو فتنے سے ہماری حفاظت فرمائے اور اس کام کو اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غازی ملک ممتاز حسین قادری شہیدؒ

محمد متین خالد

گورنر سلمان تاثیر کے حامیوں کا کہنا ہے کہ ان کے قاتل غازی ملک ممتاز حسین قادری نے قانون ہاتھ میں لیا جو سراسر زیادتی ہے، اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

سب سے پہلے غیر جانبدارانہ اور ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ سلمان تاثیر کے قاتل ملک ممتاز حسین قادری نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا یا سلمان تاثیر نے؟ میں مختصر عرض کرتا ہوں کہ ۱۴؍ جون ۲۰۰۹ء کو ضلع ننکانہ صاحب کے ایک نواحی گاؤں اٹانوالی میں عیسائی مذہب کی مبلغہ آسیہ مسیح نے قرآن مجید اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نہایت نازیبا، دل آزار اور گستاخانہ کلمات کہے جن کو دہرانے کی میرا قلم اجازت نہیں دیتا۔ وفاقی وزیر اقلیتی امور شہباز بھٹی کی مداخلت سے کئی دن تک ملزمہ کے خلاف پرچہ درج نہ ہو سکا۔ وفاقی وزیر کی اس حرکت سے علاقہ بھر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ بالآخر ۱۹؍ جون ۲۰۰۹ء کو آسیہ مسیح کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵-سی کے تحت ایف آئی آر نمبر ۳۲۶ درج کر لی گئی۔ ملزمہ کو گرفتار کر کے حفاظتی اقدام کے طور ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ بھیج دیا تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ اس کیس کی تفتیش پنجاب پولیس میں نیک نامی اور دیانت داری کی مثالی شہرت رکھنے والے جناب سید محمد امین بخاری ایس پی شیخوپورہ نے کی، جنھوں نے ۲۶؍ جون ۲۰۰۹ء کو ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۶۱ کے تحت آسیہ مسیح کا بیان ریکارڈ کیا اور نہایت جاں فشانی، غیر جانبداری اور شفاف طریقے سے اس کیس کے تمام پہلوؤں کی مکمل تفتیش کرتے ہوئے آسیہ مسیح کو واقعی ملزمہ قرار دیا اور اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ملزمہ آسیہ مسیح کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اور قرآن مجید کے متعلق گستاخانہ باتیں کرنا ثابت ہوا ہے۔ ملزمہ نے یہ تمام باتیں نہ صرف تسلیم کی ہیں بلکہ اپنی غلطی کی معافی بھی مانگی ہے۔

اس مقدمہ کی سماعت ایڈیشنل سیشن جج ننکانہ صاحب جناب محمد نوید اقبال کی عدالت میں ہوئی۔ ملزمہ کی طرف سے اکبر منور درانی ایڈووکیٹ، طاہر گل صادق ایڈووکیٹ، چوہدری ناصر انجم ایڈووکیٹ، جسٹن گل ایڈووکیٹ، طاہر بشیر ایڈووکیٹ، ایرک جون ایڈووکیٹ، منظور قادر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، جب کہ استغاثہ کی طرف سے میاں ذوالفقار علی ایڈووکیٹ پیش ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک اس مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ ۸؍ نومبر ۲۰۱۰ء کو اس مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے ایڈیشنل سیشن جج نے جرم ثابت ہونے پر ملزمہ آسیہ مسیح کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵-سی کے تحت سزائے موت کا مستحق قرار دیتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا:

''یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس گاؤں میں عیسائی حضرات کی ایک کثیر تعداد مسلمانوں کے ساتھ کئی نسلوں سے آباد ہے، لیکن ماضی میں اس قسم کا بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ مسلمان اور عیسائی دونوں ایک دوسرے کے مذہبی جذبات اور اعتقادات کے سلسلے میں برداشت اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اگر توہین رسالت کا اس قسم کا کوئی واقعہ پہلے بھی اس گاؤں میں پیش آیا ہوتا تو یقیناً فوجداری مقدمات اور مذہبی جھگڑے اس گاؤں میں پہلے سے موجود ہوتے، لہٰذا اس دفعہ یقیناً توہین رسالت کا ارتکاب ہوا ہے، جس کے باعث مقدمہ درج ہوا اور عوامی اجتماع منعقد ہوا اور یہ معاملہ اس قصبے اور اردگرد میں موضوع بحث بن گیا۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ نہ تو ملزمہ خاتون نے اپنی صفائی میں کوئی شہادت پیش کی اور نہ ہی دفعہ (۲) ۳۴۰ ضابطہ فوجداری کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات غلط ثابت کئے۔ مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ استغاثہ نے اس مقدمہ کو کسی شک و شبہ سے بالاتر ثابت کر دیا ہے۔ تمام استغاثہ گواہان نے استغاثہ کے مؤقف کی متفقہ اور مدلل انداز میں تائید و تصدیق کی ہے۔ استغاثہ گواہان اور ملزمہ، اُن کے بزرگوں، یا ان کے خاندانوں میں کسی دشمنی کا وجود نہیں پایا جا سکا، لہٰذا ملزمہ خاتون کو ناجائز طور پر اس مقدمہ میں ملوث کیے جانے کا قطعاً کوئی امکان نہیں، ملزمہ کو اس مقدمہ میں کوئی رعایت دیے جانے کا بھی کوئی جواز موجود نہیں، لہٰذا میں ملزمہ مساۃ آسیہ بی بی زوجہ عاشق کو زیر دفعہ ۲۹۵-سی تعزیرات پاکستان موت کی سزا کا مجرم ٹھہراتا ہوں۔''

اس فیصلے کے خلاف دُنیا بھر کی سیکولر لابیاں،

نام نہاد ''انسانی حقوق'' کی تنظیمیں، قادیانی جماعت اور عیسائی نمائندے میدان میں آ گئے۔ عیسائی پوپ بینڈکٹ سے لے کر گورنر پنجاب سلمان تاثیر تک سب نے آسیہ ملعونہ کے دفاع میں احتجاج کرتے ہوئے اس فیصلہ کی مذمت کی اور کہا کہ وہ ایسے کسی فیصلے پر عملدرآمد نہیں ہونے دیں گے۔ پوپ نے ویٹی کن میں منعقدہ خصوصی دُعائیہ تقریب میں آسیہ مسیح کی رہائی کے لئے نہ صرف اس کا نام لے کر دُعا کرائی بلکہ صدرِ پاکستان سے بھی اپیل کی کہ اس کی سزا معاف کی جائے۔ اُنہوں نے حکومتِ پاکستان سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ قانون توہین رسالت کو فوری طور پر ختم کیا جائے۔ پوپ کے بیان کے بعد ۲۰ نومبر ۲۰۱۰ء کو گورنر پنجاب سلمان تاثیر عدالت سے مجرمہ قرار دی جانے والی خاتون سے ملنے کے لئے فوراً ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ پہنچے، جہاں اُنہوں نے سپرنٹنڈنٹ جیل شیخوپورہ کے ڈی آئی جی کمرہ میں آسیہ مسیح سے خصوصی ملاقات کی اور اُسے حکومتی سطح پر ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔ وہ گورنر ہاؤس سے اپنے ساتھ آسیہ مسیح کو ملنے والی سزا کی معافی کی ٹائپ شدہ درخواست بھی ہمراہ لائے تھے۔ گورنر سلمان تاثیر نے میڈیا کی موجودگی میں آسیہ مسیح سے کہا کہ یہ آپ کی طرف سے تحریر کردہ درخواست ہے، آپ اس پر دستخط کردیں تاکہ میں بطور گورنر اس درخواست کو صدر آصف علی زرداری تک پہنچا کر سزا کی معافی ممکن بنوا سکوں، سزا معافی کے بعد آپ کو یورپ کے کسی ملک میں بھجوا دیا جائے گا۔ اس موقع پر گورنر پنجاب نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ملعونہ آسیہ مسیح کو معصوم قرار دیا اور کہا کہ دُنیا کی کوئی طاقت آسیہ مسیح کو سزا نہیں دے سکتی۔ اُنہوں نے کہا کہ قانون توہین رسالت ایک ''امتیازی، غیر انسانی اور کالا قانون'' ہے، جس کو ہر حالت میں ختم ہونا چاہئے۔

اس پریس کانفرنس کے ذریعے یورپی ممالک کو یہ پیغام بھی دیا گیا کہ حکومت آسیہ مسیح کو سزا دینے کے حق میں نہیں ہے اور حکومت ایسے تمام قوانین کو بھی ختم کردے گی جو اقلیتوں کی ''آزادیٔ اظہار'' کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ سب سے پہلے قانون کو ہاتھ میں کس نے لیا؟ کس نے عدالتی پراسس میں رکاوٹ ڈالی؟ کس نے عدالتی فیصلہ ماننے سے انکار کیا؟ کس نے آئین و قانون کی خلاف ورزی کی؟ کس نے ماورائے عدالت کیس کو ہائی جیک کیا؟ کس نے عدالتی امور میں بے جا مداخلت کی؟ کس نے توہین رسالت اور توہین عدالت کا ارتکاب کیا؟ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی حفاظت کا حلف اٹھانے والے نے کس قانون اور کس ضابطہ اخلاق کے تحت توہین رسالت کی مجرمہ کے ساتھ بیٹھ کر پریس کانفرنس کرتے ہوئے اسے معصوم اور بے گناہ قرار دیا، سیشن جج کی طرف سے سنائی گئی سزا کو ظالمانہ قرار دیا، قانون توہین رسالت کو کالا قانون قرار دیا؟ آئین کی کونسی شق اور کون سا قانون انہیں اس بات کی اجازت دیتا تھا؟ ایک آئینی عہدے دار کی ان خرافات کا کیا کسی نے نوٹس لیا؟ اس وقت قانون و آئین حرکت میں کیوں نہ آئے؟ اس سے بڑی توہین رسالت اور توہین عدالت اور کیا ہو سکتی تھی؟ اگر سلمان تاثیر کے حامی اسے اس غیر آئینی اور غیر قانونی عمل سے روک دیتے تو شاید غازی ملک ممتاز حسین قادری کے قانون کو ہاتھ میں لینے کی نوبت ہی نہ آتی۔ اس ساری صورت حال کو بگاڑنے میں انتہا پسند سیکولر صحافیوں اور نام نہاد دانشوروں نے نہایت غیر ذمہ دارانہ کردار ادا کیا۔ وہ یکطرفہ طور پر مختلف ٹی وی پروگراموں میں اپنے تئیں مفتی اور قانون دان بن کر متنازعہ گفتگو کر کے جلتی پر تیل کا کام دیتے رہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ گورنر سلمان تاثیر کے قتل کی ذمہ داری انہی فاشسٹ سیکولر صحافیوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اُس کی ملعونہ آسیہ کے ساتھ جیل میں وی آئی پی ملاقات کرنے، سیشن جج کے فیصلہ پر شدید تنقید کرنے، آسیہ مسیح کو معصوم قرار دینے، اُس کی درخواست معافی پر دستخط کروانے، آسیہ کے دفاع میں پریس کانفرنس کرنے، قانون توہین رسالت کو کالا قانون کہنے اور اُسے ختم کروانے کی کوششوں کو نہ صرف سراہا بلکہ ''چڑھ جا بیٹا سولی، رام بھلی کرے گا'' کا درس دیتے رہے۔ سلمان تاثیر کے یہ نادان دوست اگر معمولی سا بھی عقل و شعور رکھتے تو اُسے خلاف آئین و قانون سرگرمیوں سے روکتے، اسے مشورہ دیتے کہ معاملہ عدالت میں ہے، اسے عدالت پر چھوڑ دینا چاہئے، مگر امریکی ڈالروں کی چمک میں اندھے ہونے والے بھلا کہاں کسی کو ایسا مشورہ دیں گے؟

توہین رسالت کی مرتکب آسیہ کے مقدمے کا اہم پہلو یہ ہے کہ مقدمہ کسی مولوی، مُلا یا مذہبی جماعت کی خود ساختہ عدالت میں نہیں چلا بلکہ ملک کی عام عدالت میں عام قوانین کے تحت چلا اور اس میں آسیہ کو دفاع کا بھرپور موقع فراہم کیا گیا۔ شفاف عدالتی عمل کے بعد عدالت نے آسیہ کو توہین رسالت کے گھناؤنے جرم کا مرتکب پاتے ہوئے اسے سزائے موت سنائی۔ اصولی، اخلاقی اور قانونی اعتبار سے اس سزا کو قبول کر لیا جانا چاہئے تھا۔ آسیہ مسیح کے پرستاروں پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر اور پیپلز پارٹی کی رہنما شیری رحمن کے لئے مذکورہ فیصلے کو ہائی کورٹ میں چیلنج کرنا ممکن تھا، لیکن انہوں نے فیصلے کو قبول کرنے اور عدالت عظمیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بجائے سیکولر فاشزم کا مظاہرہ کیا۔ سلمان تاثیر نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے تحفظ کے قانون کو ’’کالا قانون‘‘ قرار دیا اور شیری رحمان نے اس قانون کو ختم کرانے کے لئے قومی اسمبلی میں بل پیش کر دیا۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ پوپ بینی ڈکٹ ملعونہ آسیہ اور سیکولر فاشسٹوں کی پشت پر آ کھڑے ہوئے۔ ساتھ ہی امریکا نے اعلان کر دیا کہ وہ آسیہ کو پناہ دینے کے لئے تیار ہے۔ اس صورت حال میں سلمان تاثیر ایک قدم اور آگے بڑھے، انہوں نے آسیہ سے جیل میں ملاقات کی، مجرم ہونے کے باوجود اس کے ساتھ پریس کانفرنس کی اور اعلان کیا کہ وہ صدر آصف زرداری سے آسیہ کی سزا معاف کرادیں گے۔ اس پر لاہور ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا، کہ آسیہ صدر کو معافی کی درخواست نہیں دے سکتی، لیکن سلمان تاثیر لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ اس سنگین صورت حال میں صدر بلکہ وزیر اعظم کو بھی مداخلت کرنی چاہیے تھی اور اعلان کرنا چاہیے تھا کہ ناموس رسالت کا تحفظ ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس سلسلہ میں ملک کے عدالتی نظام کو اپنا کام کرنے دیا جائے گا، لیکن چھوٹے چھوٹے معاملات میں مداخلت کرنے والے اور معمولی معمولی باتوں پر اجلاس اور ملاقاتیں کرنے والے اتنے اہم معاملے میں خاموش رہے۔

اس صورت حال سے مذہبی ذہن نے یہ مفہوم اخذ کیا کہ ملک کی ہر چیز، یہاں تک کہ رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس بھی امریکا اور سیکولر فاشسٹوں کے ہاتھ میں چلی گئی ہے۔ اس سے دکھ، غم، ملال، بے بسی اور اشتعال کی جو کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں وہ واضح ہیں، لیکن حیرت ہے کہ اس کے باوجود بھی بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ سلمان تاثیر کو ایک مذہبی انتہا پسند نے قتل کیا ہے، حالانکہ یہ حقیقت عیاں ہے کہ سلمان تاثیر کو کسی اور نے نہیں ’’سیکولر فاشزم‘‘ نے قتل کیا ہے۔

ملعونہ آسیہ مسیح: مقدمہ تقریباً ڈیڑھ سال تک عدالت میں زیر سماعت رہا، خود آسیہ مسیح کئی دفعہ عدالت میں پیش ہوئی، اس طویل عرصہ میں مذہبی جماعتوں کی طرف سے کوئی جلسہ، جلوس یا پریس کانفرنس منعقد نہیں ہوئی حتیٰ کہ اُس کے خلاف کوئی اشتہار یا پمفلٹ بھی تقسیم نہیں ہوا۔ اس لئے کہ مسلمان سمجھتے تھے کہ مقدمہ عدالت میں ہے اور عدالت اس کا جو بھی فیصلہ کرے گی، ہمیں قبول ہے۔ اگر معزز عدالت آسیہ مسیح کو رہا کر دیتی تو اہل اسلام کوئی ہنگامہ برپا کرنے کے بجائے اس فیصلہ کے خلاف عدالت عالیہ سے رجوع کرتے۔ مسلمانوں کو عدم برداشت کا طعنہ دینے والوں کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ خود اُن میں برداشت کا کتنا مادہ ہے؟ کیا یہ کم برداشت ہے کہ ملعونہ آسیہ کی ناپاک جسارت کے بعد گاؤں کے کسی آدمی نے اُسے ہاتھ تک نہ لگایا بلکہ قانون کا راستہ اختیار کیا۔ قانون توہین رسالت کے مخالفین بھی اگر قانون کا راستہ اختیار کرتے تو اپنے عبرتناک انجام کو نہ پہنچتے۔

ہمارے نزدیک تمام مسائل کا حل آئین و قانون کی مکمل پابندی، اس پر عملدرآمد اور احترام میں ہے۔ ماورائے عدالت آئین و قانون کی خلاف ورزی بے شمار مسائل کو جنم دیتی ہیں۔ قانون سے اختلاف کی صورت میں اعلیٰ عدلیہ سے رجوع کرنا چاہیے۔ حکومتی اثر و رسوخ کے ذریعے قانون کو غیر مؤثر کرنے کی کوشش، خود لاقانونیت کے زمرے میں آتی ہے، اور جو اسے نہیں مانتا، ایک مہذب معاشرے میں اسے دانشور نہیں، احمق کہا جاتا ہے۔

۲۷ جنوری ۲۰۱۱ء کو امریکا کے ایک کمانڈو اور سی آئی اے کے جاسوس ریمنڈ ڈیوس نے قرطبہ چوک مزنگ لاہور میں دو افراد کو جدید ترین اسلحے سے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کی مدد کے لئے امریکی قونصل خانے سے آنے والی گاڑی نے ایک تیسرے شخص عبادالرحمٰن کو اپنے پہیوں تلے کچل کر ہلاک کر دیا۔ پنجاب پولیس نے تین افراد کے قاتل امریکی کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کیا تو امریکی حکومت نے قاتل کو اپنا سفارت کار قرار دے کر اس کی فوری رہائی کا مطالبہ کر دیا۔ پولیس کے بعض افسران کچھ امریکی سفارت کاروں کے براہ راست رابطے میں ہیں تاکہ کمزور تفتیش کے ذریعے ملزم کو فائدہ پہنچایا جاسکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لاہور میں امریکی قونصل خانے کا اہلکار جعلی نمبر پلیٹ والی گاڑی میں بغیر لائسنس کے اسلحے کے ساتھ کیوں گھوم رہا تھا؟ امریکی حکومت بین الاقوامی قوانین کے تحت اپنے اہلکار کو گرفتاری سے مستثنیٰ سمجھتی ہے لیکن کیا امریکی حکومت ہمیں یہ بتائے گی کہ وہ پاکستان پر ڈرون حملے کس بین الاقوامی قانون کے تحت کرتے ہیں؟ ایک پاکستانی شہری عافیہ صدیقی کو افغانستان سے گرفتار کر کے امریکا کیسے لے جایا گیا حالانکہ یہ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی تھی؟ سچ تو یہ ہے کہ تین پاکستانیوں کے قاتل امریکی کو عدالتی کارروائی کے بغیر رہا کرنے کا مطالبہ آئین و قانون کا تمسخر اڑانے کے مترادف ہے۔ اگر سلمان تاثیر کو قتل کر دیا جائے تو امریکا اور اس کے حواری آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں اور اس کے قاتل کو فوری پھانسی کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جب ایک امریکی دو مسلمانوں کو قتل کر دیتا ہے اور تیسرے کو امریکی قونصل کی گاڑی کچل دیتی ہے تو امریکا اور اس کے حواری اپنے قاتل کی فوری رہائی چاہتے ہیں اور بالآخر امریکی حکومت زبردست دباؤ کے بعد ریمنڈ ڈیوس کو پراسرار طریقے سے رہا کروا کر امریکا لے گئی۔ اسے کہتے ہیں لبرل فاشسٹ دہشت گردی۔

☆☆..........☆☆

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ ختم نبوت

۱۲۸۰ھ تا ۱۳۶۲ھ

گزشتہ سے پیوستہ

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

عقیدہ ختم نبوت اور نزول عیسیٰ علیہ السلام:

حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے، اس کا انکار کفر ہوگا۔ اسی طرح سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آپ کا نزول بھی قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے، اس کا انکار بھی کفر ہے، اس کی تفصیل احقر نے اپنے دو رسائل ''الضرب الشدید علی الکذاب العنید'' اور ''الدلائل الباہرۃ فی نزول عیسیٰ بن مریم الظاہرۃ'' میں کردی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ، ختم نبوت کے عقیدہ کے ہرگز خلاف نہیں ہے، اس موضوع کو حضرت حکیم الامت کی زبان فیض ترجمان سے بھی سنیں، آپ فرماتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے ہم نے اسی (اسلام) کو پسند کیا ہے، یہ دنیا سے کبھی زائل نہ ہوگا۔ کوئی اس کا مٹانے والا نہیں، کوئی اس کا ناسخ نہیں۔ جیسے اور ادیان کے بعد دیگرے منسوخ ہوتے گئے، یہ ایسا نہ ہوگا، ہمیشہ رہے گا۔ سو یہ خبر بقا الی یوم القیامۃ کی تصریحاً آج ہی ارشاد فرمائی گئی، اگرچہ ختم نبوت کی خبر سے لزوماً یہ بھی معلوم ہوگیا تھا۔

یہاں شاید کسی کو وہم ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام تو آخر زمانہ میں آویں گے اور وہ اپنے خاص احکام جاری کریں گے، مثلاً جزیہ کا قانون اٹھادیں گے جو کہ حکم اسلامی ہے یا خنزیر کی نسل کو مٹادینے کا حکم فرمادیں گے اور یہ سب ظاہراً نسخ ہے۔

جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس حیثیت سے نہ آویں گے کہ ان کو اس وقت نئی نبوت یا شریعت اسلامیہ کے خلاف کوئی شریعت عطا ہوگی۔ ''لا نبی بعدی'' کے یہی معنی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی جدید نبوت نہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی کو جدید نبوت یا شریعت اسلامیہ کے خلاف کوئی شریعت عطا نہ ہوگی۔ یہ مطلب نہیں کہ کوئی پہلے کی نبوت عطا کیا ہوا نبی بھی شریعت اسلامیہ کا متبع ہوکر بھی دنیا میں نہ آوے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے سے نبی تھے اور شریعت اسلامیہ ہی کے تابع ہوکر تشریف لائیں گے، ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنا اور متبع ہوکر آنا، ''لانبی بعدی'' کے خلاف نہیں۔ سو وہ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت کے موافق عمل کریں گے، تو ''لانبی بعدی'' کے معنی یہ نہیں کہ کوئی پرانا نبی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کے لئے نہ آوے گا۔

غرض عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس وقت نبی بھی ہوں گے مگر عطائے نبوت ان کے لئے پہلی ہوچکی ہے اور آپ علیہ السلام کی نیابت کے طور پر آویں گے نہ کہ مستقل بن کر اور نہ حاکم ہوکر بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محکوم ہوکر آویں گے۔ اس میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نبوت بڑھ گئی کہ نبی بھی حضور کے خادم ہوں گے۔ حدیث میں ہے: ''لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی'' کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ سوائے میرے اتباع کے اور کچھ نہ کرتے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا: ''لسلبت نبوتہ'' کہ ان کی نبوت چھن جاتی بلکہ فرماتے ہیں کہ متبع ہوکر رہتے۔ غرض ''رضیت لکم الاسلام'' کے یہ معنی ہوئے کہ ہم نے ہمیشہ کے لئے اس دین کو پسند کیا ہے۔

پس حدیث میں جو ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر جزیہ کو موقوف کردیں گے اور اس وقت دو ہی باتیں رہ جاویں گی کہ یا اسلام لاؤ یا قتال کرو، تو وہ نسخ نہیں ہے بلکہ اس وقت کے لئے شریعت محمدیہ کا یہی قانون ہوگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام جاری فرماویں گے اور بڑے مزے کا لطیفہ ہے کہ عیسائی لوگ مسئلہ جہاد کے اوپر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے اس مد کو کیوں رکھا؟ میں کہتا ہوں کہ اپنے پیغمبر سے ہی پوچھ لو، وہ عنقریب آنے والے ہیں: ''فانتظروا انا منتظرون'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پھر بھی تمہاری رعایت کی ہے کہ جزیہ دے کر (اپنے آپ کو) بچاسکتے ہو، عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں دو ہی باتیں ہوں گی: یا اسلام، یا سیف۔ غرض عیسیٰ علیہ السلام حکم اسلامی قدیم کو منسوخ نہ فرماویں گے کہ پہلے جزیہ کا حکم تھا اور آپ اس کو اٹھادیں گے

تاکہ ان کو ناسخ کہا جائے۔

پھر "رضیت لکم الاسلام دینا" تابید پر شبہ کیا جائے کہ تابید (ہمیشہ کے لئے) تو جب ہوتی کہ اسلام کا ہر حکم قیامت تک رہتا۔ سو جواب ظاہر ہے کہ اس حکم کو عیسیٰ علیہ السلام نے منسوخ نہیں کیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے منسوخ کیا ہے۔ پس حدیث میں: "یضع الجزیہ" خبر بمعنی انشاء ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی یہ حد مقرر فرمائی کہ اے عیسیٰ! جب تم آؤ، اس وقت کفار کے ساتھ یہ معاملہ برتنا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ طبیب نے کسی مریض کو مسہل (خلاب آور) دیا اور اس سے کہہ دیا کہ مسہل لینے کے بعد یہ ٹھنڈائی پیئے گا تو اب مریض جو ٹھنڈا پیتا ہے، یہ اس کی ایجاد نہیں بلکہ طبیب ہی کا کہنا پورا کرتا ہے، طبیب ہی نے بتلا دیا تھا کہ تین روز کے بعد تبرید (ٹھنڈک) تجویز ہوگی۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہے کہ اس وقت آپ جزیہ کو موقوف کر دیں، عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف سے ایجاد نہیں کریں گے بلکہ آپ ہی کے فرمان کو بجالاویں گے۔" (محاسن اسلام ص:۹۵)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں کسی نے اختلاف نہیں کیا بلکہ اجماع ہے سوائے اس قادیانی کے کہ صرف اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے انکار کیا اور انکار بھی کیسا کہ خود ہی عیسیٰ بن بیٹھا۔"

(الافاضات، حصہ دوم، ص:۱۸۰)

مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں یہ امر بالکل واضح ہے کہ حضرت حکیم الامت کا عقیدہ، ختم نبوت کے باب میں وہی تھا جو قرآن پاک اور احادیث پاک نے بتلایا، جس پر حضرات صحابہ کرام کا اجماع ہوا، جسے تمام اکابر نے اپنا عقیدہ تسلیم کیا۔ اب دیانت و شرافت کا تقاضا ہے کہ ان حضرات کی طرف یہ گندہ الزام منسوب نہ کیا جائے کہ معاذ اللہ یہ عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ نہ ہی ان کے ذمہ وہ بات منسوب کی جائے جو انہوں نے نہ کہی، نہ عقیدہ بتلایا۔

قادیانی اور قادیانیت:

مرزا غلام قادیانی علیہ ماعلیہ کے پیروکار امت محمدیہ کو آپس میں لڑانے اور ان میں افتراق اور انتشار پیدا کرنے کے لئے حضرت حکیم الامتؒ پر بھی اعتراض کرتے ہیں تو کبھی انہیں اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی ان کی عبارات سے دھوکا دیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت کا دامن ان تمام خرافات سے بری ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ کے نزدیک مرزا قادیانی پاگل، گستاخ اور دائرہ اسلام سے خارج تھا اور ان کے گروہ پر بھی حضرت کا یہی فتویٰ تھا۔ اگر کبھی کوئی قادیانی بظاہر اپنے شبہات کے ازالہ کے لئے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں جاتا اور مقصد یہ ہوتا کہ کسی نہ کسی طرح بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے دام تزویر تلبیس میں گرفتار کرے تو حضرت حکیم الامتؒ فوراً اس کا اخراج فرما دیتے کہ یہاں گستاخ رسول کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ لکھتے ہیں:

"جب (حضرت حکیم الامت کو) ان کے اغراض فاسدہ کا علم ہوا کہ باہر جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں تو پھر بلا رو رعایت ان کا فوراً اخراج فرما دیا۔" (اشرف السوانح، حصہ دوم، ص:۱۷۷)

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نے دوران وعظ صاف ارشاد فرمایا:

"ایسی پیشگوئیاں اور دعوے نہیں جیسا کہ ایک پاگل مرزا نے اس زمانہ میں پیشین گوئی کی تھی کہ فلاں عورت سے میرا نکاح ہوگا۔"

(مواعظ اشرفیہ، ص:۱۹۳)

یعنی مرزا غلام قادیانی نے خدا کے نام پر یہ دعویٰ کر دیا تھا کہ محمدی بیگم سے میرا نکاح ہوگا اور یہ نکاح آسمان پر قرار پا چکا ہے مگر افسوس کہ محمدی بیگم صاحبہ مرزا قادیانی کے نکاح میں نہ آسکی اور اس کی دوسری جگہ شادی ہوگئی۔ بجائے اس کے کہ مرزا اپنی روش سے باز آجاتا، ایک عدد اور پیشگوئی کر دی کہ محمدی بیگم ہر حال میں میرے پاس آئے گی، چاہے شادی شدہ ہو کر ہی کیوں نہ ہو، مریدان باصفا تو اس انتظار میں تھے کہ کب حضرت کی یہ پیشگوئی پوری ہو تاکہ شرمندی نہ ہو: "مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ..." محمدی بیگم کو نہ نکاح میں آنا تھا نہ آئی اور مرزا صاحب کو مع اسی حسرت کے قبر کے گڑھے میں اتار دیا گیا۔ افسوس صد افسوس! مرزا قادیانی ان گستاخانہ اقوال کی رو سے بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے بھی ایک مرتبہ اپنی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ:

قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں نہایت کھلی کھلی گستاخی کرتا ہے، کہتا ہے:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

کہتا تھا کہ عمل الترب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بہت مشق کی تھی، اگر میں بھی کرتا تو ان سے بڑھ جاتا... نعوذ باللہ... (حسن العزیز، ص:۱۹۳)

مرزا قادیانی کا یہ شعر اس کی کتابوں میں موجود ہے اور قادیانی اب بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ نے یہ جو فرمایا کہ وہ کہتا تھا: "عمل الترب..." تو معلوم ہونا چاہئے کہ مرزا قادیانی نے واقعتاً ایسے گستاخانہ الفاظ لکھے ہیں۔ "ازالہ اوہام" میں لکھتا ہے:

"ماسوا اس کے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز طریق عمل الترب یعنی مسمریزم طریق سے بطور لہو ولعب نہ بطور حقیقت ظہور میں

آسکیں، کیونکہ عمل الترب میں جس کو زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں، ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنی روح کی گرمی دوسری چیزوں میں ڈال کر ان چیزوں کو زندہ کے موافق کر دکھاتے ہیں۔“

(ازالۂ اوہام، ص:۱۲۸، حاشیہ)

یعنی احیاء موتیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ نہ تھا بلکہ عمل الترب میں مشق کرنے کے باعث اس کا ظہور ہوا۔ یہ معجزات کا صریح انکار نہیں تو اور کیا ہے؟ آگے لکھتا ہے:

”مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عمل ایسے قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل التفات نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریمؑ سے کم نہ رہتا۔“ (ازالہ اوہام، ص:۱۲۹)

اس قسم کی باتیں گستاخانہ نہیں تو اور کیا ہیں؟ کیا ایک پیغمبر اور جلیل القدر رسول کی شان پاک میں یہ مرزا کی صریح گستاخی نہیں...؟

حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں رنگون (برما) سے سوال آیا کہ مرزا قادیانی کے پیروکار کافر ہیں یا نہیں؟ آپؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

”رہی بات خود مرزا کے بقاء علی الاسلام کے قائل ہونے کی... تو اس کے اقوال دیکھنے کے بعد کچھ گنجائش نہیں، چنانچہ خود مرزا کے رسائل اور اس کے رد کے رسائل میں وہ اقوال بکثرت مذکور ہیں، جن میں تاویل کرنا ایسا ہی ہے جیسے بت پرست کو اس تاویل سے کافر نہ کہا جائے کہ توحید وجودی کی بنا پر یہ شخص غیر خدا کا عابد نہیں۔ اب رہ گئے اس کے پیروکار تو قادیانی پارٹی تو ان اقوال کو بلا تاویل مانتی ہے (بلکہ حجت مانتی ہے (اقبال)) ان پر حکم بالاسلام کی کچھ گنجائش نہیں۔ باقی لاہوری پارٹی کے متعلق شاید کسی کو تردد ہو کیونکہ وہ مرزا کے دعویٰ نبوت میں کچھ تاویل کرتے ہیں، سو اس تاویل کا صادق ہونا مرزا کے کاذب ہونے کو مستلزم ہے جیسا کہ اوپر اس تاویل کا محتمل نہ ہونا مذکور ہوا ہے اور مرزا کا صادق ماننا اس تاویل کے باطل ہونے کو مستلزم ہے، پس اس جماعت پر حکم بالاسلام کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ یہ مرزا کا کاذب کہیں اور اگر اس کو صادق کہیں گے تو پھر ان پر بھی اسلام کا حکم نہیں کیا جاسکتا اور جب ان سے نفی اسلام کی ثابت ہو چکی تو ان کے ساتھ کوئی معاملہ اہل اسلام کا کرنا جائز نہ ہوگا۔“

(امداد الفتاویٰ ج۶، ص:۶۳)

حضرت حکیم الامتؒ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور بالکل واضح ہوگئے:

۱:... مرزا غلام احمد قادیانی کافر تھا۔

۲:... مرزا قادیانی کے اقوال کی تاویل کرنا ایسا ہی ہے جیسا بت پرست کی بت پرستی کی تاویل کرنا۔

۳:... قادیانی گروہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۴:... لاہوری قادیانی پارٹی بھی چونکہ مرزا قادیانی کو مامور من اللہ اور اپنے دعووں میں صادق مانتی ہے، اس لئے ان پر بھی حکم اسلام کی گنجائش نہیں۔

۵:... ان کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ اہل اسلام کا سا کرنا جائز نہیں۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

”اہل ضلال میں اس وقت دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو ارتداد کی صورت میں مرتد بنا رہے ہیں اور ایک وہ جو اسلام کی شکل میں خود پہلے سے مرتد ہیں اور وہ دوسروں کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ یہ فرقہ زیادہ مضر ہے یعنی اس وقت ایک فرقہ تو آریہ کا ہے وہ علانیہ کفر کی دعوت دیتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو اسلام کے پردے میں کفر کو پھیلا رہے ہیں وہ مرزائیوں کا گروہ ہے، ان پر کفر وارتداد کا فتویٰ ہو چکا ہے۔ مبلغین کو ان دونوں کی مدافعت کرنی چاہئے، جیسے آریہ ہیں ایسے ہی یہ ناریہ بھی ہیں۔ دونوں کافر ہیں۔“

(آداب التبلیغ، ص:۵۳)

”حضرت حکیم الامتؒ کے نزدیک قادیانیوں سے ہر طرح کا مقابلہ دین کی خدمت اور دعوت ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ مرزائیوں سے تعرض کرنا بھی تو دعوت ہے، اس کو کیوں ترک کریں؟“ (آداب التبلیغ، ص:۵۵)

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے عقیدہ ختم نبوت، نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قادیانی گروہ کے بارے میں جو وضاحت فرمادی ہے، اس کو پڑھ کر کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ علماء دیوبند گستاخ رسول تھے؟ یا عقیدہ ختم نبوت کے منکر تھے؟ جو لوگ اس قسم کا الزام و اتہام لگا رہے ہیں وہ خوف خدا اور فکر آخرت سے غافل ہوگئے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایک دن ضرور آنے والا ہے، جہاں حقیقت بے نقاب ہوکر رہے گی، اس وقت معلوم ہوگا کہ ہاتھ کس کا ہے اور گردن کس کی؟

فسوف تری اذا انکشف الغبار
افرس تحت رجلک ام حمار

اس وقت اگر تمام کتب و رسائل کو اکٹھا کیا جائے جو مختلف مکاتب فکر نے ختم نبوت اور قادیانیت کے خلاف لکھی ہیں تو ان میں سب سے زیادہ لٹریچر علماء دیوبند کا ملے گا۔ اگر اس سلسلہ میں قربانیوں کی تاریخ مرتب کی جائے تو سب سے زیادہ قربانیاں علماء دیوبند کی ملیں گی، اور اگر سائلین کے ذہن میں صرف یہی سوال ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا عقیدہ اس باب میں کیا تھا تو ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ وہ پاکستان کے جناب پیر کرم شاہ صاحب سے پوچھ لیں۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، دسمبر ۱۹۹۰ء) ☆☆

دستورِ پاکستان اور قادیانیت

غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ

آخری قسط

شکیل عثمانی

مرزا قادیانی کی نبوت اور حکیم نورالدین:

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پہلے خلیفہ حکیم نور الدین صاحب انتہائی ذہین شخص تھے۔ انہوں نے اپنے دورِ خلافت (۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۴ء) میں مسلمانوں سے تعاون بڑھانے کے لئے اعتدال پسندانہ روش اختیار کی۔ انہوں نے مصلحتاً مرزا صاحب کی نبوت اور ان کے دعووں پر ایمان نہ لانے والوں کی تکفیر پر زور نہیں دیا۔ اس طرح انہوں نے احمدیوں اور عام مسلمانوں کے درمیان فرقوں کی وہ خلیج پاٹنے کی کوشش کی جو مرزا صاحب کے الہامات، پیش گوئیوں اور اشتعال انگیز تحریروں نے پیدا کردی تھی۔ بہرحال ان کے اصل عقائد کے سلسلے میں ان کی دو تحریریں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حکیم نورالدین صاحب لکھتے ہیں:

”ایمان بالرسل اگر نہ ہو تو کوئی شخص مومن مسلمان نہیں ہوسکتا اور اس ایمان بالرسل میں کوئی تخصیص نہیں، عام ہے، خواہ وہ نبی پہلے آئے یا بعد میں آئے، ہندوستان میں ہو یا کسی اور ملک میں، کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے۔ ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں، بتاؤ کہ یہ اختلاف فروعی کیونکر ہوا۔“ (مجموعہ فتاویٰ احمدیہ ج:۱،ص:۲۷۵، بحوالہ اخبار الحکم ج:۱۵ نمبر ۸ مورخہ ۸/مارچ ۱۹۱۱ء)

(۲) نیز حکیم ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر یہود و نصاریٰ اللہ کو مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں کو مانتے ہیں۔ کیا اس انکار پر کافر ہیں یا نہیں؟ کافر ہیں۔ اگر اسرائیلی مسیح رسول کا منکر کافر ہے تو محمدی مسیح رسول کا منکر کیوں کافر نہیں؟ اگر اسرائیلی مسیح موسیٰ کا خاتم الخلفاء یا خلیفہ یا تبع ایسا ہے کہ اس کا منکر کافر ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الخلفاء، یا خلیفہ یا تبع کیوں ایسا نہیں کہ اس کا منکر بھی کافر ہو۔ اگر وہ مسیح ایسا تھا کہ اس کا منکر کافر ہے تو یہ مسیح بھی کسی طرح کم نہیں۔“ (مجموعہ فتاویٰ احمدیہ ج:۱،ص:۳۸۵)

مرزا صاحب کی نبوت اور جماعت احمدیہ لاہور:

جاوید غامدی صاحب نے اپنے لیکچر میں فرمایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے قدیم ترین رفقا نے کہا کہ مرزا صاحب مجدد تھے اور لاہوری جماعت اسی تعبیر پر وجود میں آئی۔ غالباً تاریخ احمدیت غامدی صاحب کا موضوع نہیں ہے، اس لئے انہوں نے یہ ارشاد فرمایا۔ مرزا صاحب نے ۲۳/مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت لینے کا آغاز کیا تو سب سے پہلے حکیم نورالدین صاحب نے بیعت کی۔ اُس وقت جماعت احمدیہ لاہور کے بانی امیر مولوی محمد علی صاحب لاہوری (۱۸۷۴ء-۱۹۵۱ء) انٹرنس کے طالب علم تھے۔ ۱۸۹۰ء میں انٹرنس پاس کرنے کے بعد جب مولوی محمد علی صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے تو اپنے ایک سابق ہم جماعت منشی عبدالعزیز کے ذریعے انہیں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوے کا علم ہوا اور انہی کے ذریعے کتاب ”ازالۂ اوہام“ ان کو ملی، جس کو پڑھنے کے بعد وہ مرزا صاحب کی صداقت کے قائل ہوگئے۔ اسی طرح مولوی عبدالکریم سیالکوٹی مرزا صاحب سے اُس وقت سے متعارف تھے جب ثانی الذکر سیالکوٹ کی کچہری میں اہلمد تھے۔ انہوں نے بھی جلد ہی بیعت کرلی۔ وہ جامع مسجد مبارک قادیان کے امام اور خطیب تھے اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ان کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب کی موجودگی میں ایک خطبہ جمعہ پڑھا جس میں مرزا صاحب کے لئے نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کئے... جب جمعہ ہوچکا اور مرزا صاحب جانے لگے تو مولوی صاحب نے پیچھے سے مرزا صاحب کا کپڑا پکڑ لیا اور درخواست کی کہ اگر میرے اس اعتقاد میں غلطی ہو تو حضور درست فرمائیں۔ مرزا صاحب مڑکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا: مولوی صاحب! ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں ”قادیانیت: مطالعہ و جائزہ“، ص ۷۵)۔ اسی طرح کی کیفیت مفتی محمد صادق، سابق ایڈیٹر اخبار ”بدر“ قادیان کی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر جماعت احمدیہ لاہور کے رہنماؤں کو کس طرح مرزا صاحب کے قدیم ترین

رفقا کہا جا سکتا ہے! یاد رہے کہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے دست راست خواجہ کمال الدین صاحب (۱۸۷۰ء۔۱۹۳۲ء) نے ۱۸۹۳ء میں مرزا صاحب کی بیعت کی۔ خود محمد علی صاحب لاہوری اگرچہ ۱۸۹۰ء میں مرزا صاحب کی صداقت کے قائل ہو چکے تھے لیکن انہوں نے مرزا صاحب کی بیعت ۱۸۹۷ء میں کی۔ مرزا صاحب کے قدیم ترین رفقا حکیم نورالدین، مولوی عبدالکریم سیالکوٹی، مفتی محمد صادق وغیرہ کی تحریریں ریکارڈ پر ہیں۔ وہ بالصراحت مرزا صاحب کو نبی قرار دیتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ضرورت ہے کہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری اور جماعت احمدیہ لاہور مرزا صاحب کو صرف مجدد نہیں مانتے بلکہ انہیں مسیح موعود بھی مانتے ہیں اور اس نکتے پر احمدیت کی دونوں شاخوں کا اتفاق ہو جاتا ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی زندگی میں ان کے حکم پر ایک رسالہ ”ریویو آف ریلیجنز“ قادیان سے جاری کیا گیا اور ان کی ایما پر مولوی محمد علی صاحب لاہوری کو اس کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ یہ ذولسانی مجلّہ تھا۔ مولوی صاحب برسوں اس کے ایڈیٹر رہے۔ انہوں نے اپنے بیسیوں مضامین میں مرزا صاحب کے لئے نبی اور رسول کا لفظ استعمال کیا اور اشارتاً بھی نہیں لکھا کہ وہ ان الفاظ کو استعارے کے طور پر یا مجازی مفہوم میں استعمال کر رہے ہیں۔ ایسے مضامین کے اقتباسات ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔ پہلے عدالت میں مولوی محمد علی صاحب لاہوری کا ایک بیانِ حلفی ملاحظہ فرمائیے:

۱۳؍مئی ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں مولوی محمد علی صاحب نے ایک بیان حلفی دیا جس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ جو شخص مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تکذیب کرے وہ کذاب ہوتا ہے۔ اگر مرزا صاحب نے کذاب لکھا تو ٹھیک کہا۔ مولوی صاحب اس بیان میں لکھتے ہیں:

”مکذب مدعی نبوت کذاب ہوتا ہے، مرزا صاحب ملزم مدعی نبوت ہے، اس کے مرید اس کو دعوے میں سچا، دشمن جھوٹا سمجھتے ہیں۔“ (ماہنامہ فرقان قادیان، جلد۱، نمبر۱، جنوری ۱۹۴۲ء، ص ۱۵، مباحثہ راولپنڈی، ص ۲۷۲)

مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے احمدیہ بلڈنگز میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

”مخالف کوئی معنی کرے مگر ہم تو اسی پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کر سکتا ہے، صدیق بنا سکتا ہے اور شہید اور صالح کا مرتبہ عطا کر سکتا ہے مگر چاہیے مانگنے والا...... ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا (یعنی مرزا غلام احمد صاحب) وہ صادق تھا، خدا کا برگزیدہ اور مقدس رسول تھا۔“ (”الحکم“ ۱۸؍جولائی ۱۹۰۸ء، بحوالہ ماہنامہ فرقان قادیان، جنوری ۱۹۴۲ء، جلد۱، نمبر۱، ص ۱۱)

مولوی محمد علی صاحب لاہوری کی تبلیغی تُرک تازیوں کا دائرہ انتہائی وسیع ہے۔ دیکھئے وہ اپنے ایک مضمون میں ہندوؤں سے مرزا صاحب کا تعارف کس طرح کراتے ہیں:

”ہم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جلد وہ زمانہ آئے کہ ہمارے ہندو بھائیوں کے دلوں سے پردے اٹھ جائیں اور ان کو اپنی مذہبی غلطیوں پر بصیرت اور معرفت حاصل ہو جائے اور ان کے سینے اس سچائی کو قبول کرنے کے لئے کھل جائیں جو دین اسلام تعلیم دیتا ہے۔ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ آخری زمانے میں ایک اوتار کے ظہور کے متعلق جو وعدہ انہیں دیا گیا تھا، وہ خدا کی طرف سے تھا اور اس کو ہندوستان کے مقدس نبی مرزا غلام احمد قادیانی کے وجود میں خدا تعالیٰ نے پورا کر دکھایا ہے۔“ (ریویو آف ریلیجنز، جلد۳، نمبر۱۱، ص ۴۰۹ تا ۴۱۱، منقول از رسالہ تبدیلی عقائد مولوی محمد علی صاحب، ص ۶۳، مولفہ محمد اسماعیل قادیانی)

مولوی محمد علی صاحب لاہوری اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خداوند تعالیٰ نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کے دروازے بند کر دیے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کامل کے لئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کاملہ سے نور حاصل کرتے ہیں، ان کے لئے یہ دروازہ بند نہیں ہوا۔“ (ریویو آف ریلیجنز، ج ۴، ص ۱۸۶، بحوالہ تبدیلی عقائد، مولوی محمد علی صاحب از محمد اسماعیل قادیانی ص ۲۲، مطبوعہ احمدیہ کتاب گھر قادیان)

۱۹۱۳ء میں جماعت احمدیہ کو اندرونی خلفشار کا سامنا کرنا پڑا۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے صاحبزادے مرزا بشیر الدین صاحب محمود اپنے حامیوں پر مشتمل ایک تنظیم ”انصاراللہ“ قائم کر چکے تھے۔ وہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری اور ان کے رفقا (جن کی اکثریت لاہور سے تعلق رکھتی تھی) کے خلاف تھے۔ اُس وقت قادیان کے اخبارات ”بدر“ اور ”الحکم“ مرزا بشیرالدین صاحب کے زیراثر تھے۔ ان حالات میں مولوی محمد علی صاحب کے قریبی رفیق ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ نے (جو بعد کو انجمن اشاعت اسلام لاہور المعروف جماعت احمدیہ لاہور

کے معتمد مالیات منتخب ہوئے) لاہور سے ہفت روزہ پیغام صلح جاری کیا۔ اس اخبار کی مالی اور اخلاقی مدد اُن تمام احمدیوں نے کی جو بعد کو جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہوئے۔ یہ شروع سے احمدیوں کے لاہوری فریق کا ترجمان رہا ہے۔ یہ اخبار لکھتا ہے:

”معلوم ہوا ہے کہ بعض احباب کو کسی نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ اخبار ہذا کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب یا ان میں سے کوئی ایک سیدنا وہادینا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلاۃ والسلام کے مدارج عالیہ کو اصلیت سے کم یا استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت سے اخبار پیغام صلح کے ساتھ تعلق ہے خدا تعالیٰ کو جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے، حاضر وناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود ومہدی معہود کو اس زمانہ کا نبی، رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔“ (پیغام صلح ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۲، بحوالہ ماہنامہ فرقان قادیان، جنوری ۱۹۴۲ء ص ۱۳،۱۴)

اس حلفیہ بیان کے بعد لاہوری جماعت کے اصل عقائد سے ہر پردہ اٹھ جاتا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب لاہوری انگریزی ریویو آف ریلیجنز میں لکھتے ہیں:

"The Ahmadiyya movement stands in the same relation to Islam in which Christianity Stood to Judaism"

(واضح رہے کہ یہ ۱۹۰۶ء کی تحریر ہے اور ”مباحثہ راولپنڈی“ ص ۲۴۰ و ”تبدیلی عقائد مولوی محمد علی صاحب مولفہ محمد اسماعیل قادیانی، ص ۱۲ سے نقل کی گئی ہے)

ترجمہ: احمدیہ تحریک اسلام کے ساتھ وہی رشتہ رکھتی ہے جو عیسائیت کا یہودیت کے ساتھ تھا۔

یہ تحریر خود وضاحت کر رہی ہے کہ جس طرح عیسائیت اور یہودیت الگ الگ مذہبی اکائیاں ہیں، اسی طرح احمدیت اور اسلام بھی الگ الگ مذہبی اکائیاں ہیں۔ قارئین نوٹ کریں گے کہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری کی یہ تحریریں ۱۹۱۴ء سے قبل کی ہیں۔ ۱۳؍ مارچ ۱۹۱۴ء کو مرزا صاحب کے خلیفہ اول حکیم نورالدین صاحب کے انتقال کے بعد احمدیوں کی اکثریت نے مرزا صاحب کے صاحبزادے مرزا بشیر الدین صاحب محمود کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مولوی محمد علی صاحب نے مرزا بشیر الدین صاحب محمود کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور انہیں خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یاد رہے کہ مولوی محمد علی کی مستقل رہائش قادیان میں تھی۔ مرزا محمود صاحب کے خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد مولوی صاحب کو سوقیانہ نعروں کا نشانہ بنایا جانے لگا اور انہیں مرزا محمود صاحب کی بیعت نہ کرنے پر کھلے عام فاسق کہا گیا۔ اس طرح مولوی صاحب کا قادیان میں رہنا مشکل ہو گیا۔ جب حالات بہت خراب ہو گئے تو وہ ۲۰؍ اپریل ۱۹۱۴ء کو قادیان چھوڑ کر لاہور آ گئے، جہاں انہوں نے اپنے رفقا کے اشتراک سے الگ جماعت قائم کی۔ یہ تھا اصل اختلاف جس کے نتیجے میں جماعت احمدیہ لاہور کا قیام عمل میں آیا۔ ایک صاحب دانش کی رائے کے مطابق اپنی علیحدگی کے جواز کی فراہمی، جماعت قادیان سے بغض اور مسلمانوں کی ہمدردیوں کا حصول، وہ محرکات تھے جن کے تحت مولوی محمد علی صاحب لاہوری اور ان کی جماعت نے اپنے سابقہ عقائد اور تحریروں سے رجوع کا اعلان کیے بغیر یہ کہنا شروع کیا کہ ہم مرزا غلام احمد صاحب کو نبی نہیں بلکہ مجدد مانتے ہیں۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعاوی اور محمد علی صاحب لاہوری کی تحریروں پر اپنے معروضات پیش کرنے کے بعد جاوید غامدی سے درخواست ہے کہ وہ اپنے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے واضح اعلان کریں کہ ۷؍ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم جس کے تحت احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، قرآن اور سنت کے مطابق ہے۔ یہ اعلان اُن کی حق پرستی کا مظہر ہوگا اور وہ ہدیہ تبریک کے مستحق قرار پائیں گے۔ ☆☆☆

ختم نبوت کانفرنس، خانیوال

خانیوال.... ۲۲؍ مارچ بعد نماز عشاء خانقاہ مالکیہ مینار مسجد خانیوال میں ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا آغاز تقریباً نو بجے قاری محمد ذوالفقار اور قاری اشفاق احمد کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا، نعتیہ کلام حافظ حبیب الرحمن نے پیش کیا۔ کانفرنس سے شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، ضلعی مبلغ مولانا عبدالستار گورمانی، ناظم اعلیٰ مولانا عطاء المنعم نعیم، جمعیت علماء اسلام کے راہنما مولانا محمد عباس اختر اور دیگر علماء کرام کے بیانات ہوئے۔ کانفرنس کے تمام انتظامات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت خانیوال کے کارکنوں اور خانقاہ مالکیہ کے خدام نے سنبھالے ہوئے تھے۔ کانفرنس میں ہزاروں کی تعداد میں علماء، طلبا، عوام الناس اور تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے شریک تھے۔ کانفرنس رات گئے جاری رہی اور خانقاہ مالکیہ کے سجادہ نشین عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مولانا پیر خواجہ عبدالماجد صدیقی مدظلہ کی دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔

اکابر تبلیغ اور اُن سے متعلقہ کتابوں کا مختصر تذکرہ

تیسری قسط

مولانا سیّد محمد زین العابدین، کراچی

حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ اور اُن سے متعلقہ کتب:

نظام الدین مرکز میں حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے فیض یافتہ جید علماء ومشائخ کی ایک بڑی تعداد تھی، جنہوں نے اپنی زندگی کی ہر خواہش وضرورت کو دعوت وتبلیغ کی محنت پر قربان کر دیا تھا، اُن کے سامنے دُنیا کا ہر نقشہ ہیچ تھا۔ دین کی عالی محنت میں اُن کے شب و روز گزرتے تھے، پھر کچھ اُن میں سے وہ بھی تھے، جن کو تقسیم ہند کے بعد پاکستان اور دیگر ممالک میں کام کے لئے بھیج دیا گیا تھا، ایسے حضرات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ اُن تمام ہی حضرات (کہ جنہوں نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی صحبتیں اُٹھائیں یا حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے زمانۂ امارت کی ابتداء سے ہی اس کام کے لئے وقف ہوگئے اور اسی کو کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہوئے) کا مختصراً تذکرہ کر دیا جائے، لیکن صفحات کی قلت اور دوسرا اُن تمام حضرات کے احوال ملنا بھی دشوار ہیں، اس لئے صرف چار ایسی شخصیات کا تذکرہ کیا جارہا ہے کہ جن کی زندگی کا سورج دعوت وتبلیغ کے پلیٹ فارم سے نصف النہار پر تھا، اور اُن کا صف اوّل کا راہنما ہونا مسلّمہ تھا، اُنہی میں سے ایک حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ تھے۔ آپ ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ (۱۰ر اکتوبر ۱۹۲۰ء) کو سکندر پور ضلع بلیا میں پیدا ہوئے، ۱۹۴۰ء میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ التحصیل ہوئے۔ جب آپ جامعہ مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھے تو آپ اور حضرت مولانا سعید احمد خانؒ پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خصوصی نظر انتخاب پڑی تھی، اور دونوں حضرات نے اسی زمانے سے حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور تبلیغی محنت سے تعلق قائم کر لیا تھا، یہاں تک کہ فراغت کے بعد سب طرف سے آنکھیں بند کر کے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے قدموں میں آپڑے تھے، حضرت کی ان پر شفقت واختصاص کی نظر تھی، اور پھر چوں کہ مولانا کی علمی استعداد بہت اچھی تھی اس لئے خط وکتابت کا زیادہ تر کام بھی مولانا عبید اللہ صاحبؒ کے ہی سپرد تھا، اور اہم موقعوں پر وہی بھیجے جاتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے آپ کو حجاز کے قیام اور وہاں کے تبلیغی کام پر متعین فرمادیا، اس طرح وہ کئی سال حجاز میں تبلیغی کام کے امیر رہے، پھر حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے مشورہ سے وہ مرکز تبلیغ نظام الدین بلالئے گئے اور ان کے رفیق کار حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ حجاز میں جماعت کے ذمہ دار قرار پائے۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ نے اصلاح نفس کے لئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، اور کچھ ہی عرصہ میں وہاں سے اجازت بیعت دے دی گئی، چنانچہ آپ کا حضرت شیخ کے اجل خلفاء میں شمار ہونے لگا۔ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا اظہار الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری صاحبؒ کے ساتھ ساتھ آپ بھی دعوت وتبلیغ کے صف اوّل کے رہنماؤں میں تھے، بلکہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ جب کہیں نظام الدین سے باہر تشریف لے جاتے تو مولانا عبید اللہ صاحبؒ آپ کے قائم مقام قرار پاتے۔ یوں دیکھا جائے تو حضرت جی کے بعد بڑوں میں آپ ہی کا درجہ تھا۔ بالآخر دعوت وتبلیغ کی جدوجہد سے بھرپور زندگی گزار کر ۱۵ر فروری ۱۹۸۹ء، مطابق ۸ر رجب ۱۴۰۹ھ کو صبح کے وقت انتقال فرماگئے، نظام الدین ہی میں جنازہ ہوکر پنج پیرا قبرستان میں تدفین ہوئی۔ حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ کے بیانات "مواعظ عبیدیہ" کے نام سے شائع ہوچکے ہیں اور ان کی وفات پر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ودیگر اہل قلم نے مضامین بھی لکھے۔

حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ اور اُن سے متعلقہ کتب:

آپ ۵ر ستمبر ۱۹۲۹ء، بروز پیر رات ۱۲ بجے پالن پور کے گاؤں گھنامن میں ایک دین دار شخص جناب وزیر الدین صاحبؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتداءً اسکول کی تعلیم حاصل کی، جب کہ آٹھ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد فوت ہوگئے۔ آپ کی والدہ بڑی نیک سیرت خاتون تھیں، انہوں نے ہی آپ کی تربیت کی اور دینی تعلیم دلائی۔ چنانچہ ۵ سال اسکول پڑھنے کے بعد جناب مولانا عبد الحفیظ جلال پوریؒ (یوپی) سے دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ ۱۹۴۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے امتحان لیا اور کامیاب قرار

پائے، دارالعلوم دیو بند میں تعلیم کے دوران ہی ۵ر مئی ۱۹۵۰ء کو آپ کی شادی ہوگئی، تنگی و ترشی اور مصائب و مشکلات غرض کئی نشیب و فراز گزارنے کے بعد ۸ر اپریل ۱۹۵۶ء کو دیو بند سے فاتحہ فراغ پڑھا، دیو بند میں آپ نے بخاری شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھی۔ آپ نے اگست ۱۹۴۵ء میں پہلا چلہ لگایا اور حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے بیعت ہوگئے، اس طرح حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ میں فکر یوسفی منتقل ہوئی اور آپ کو امت کا وہی غم و درد عطا ہوا جو حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو تھا، پوری زندگی اسی کام سے منسلک رہے، ہر طرح کی مصروفیات کو خیر باد کہہ دیا، حق تعالیٰ نے غیب کے خزانوں سے آپ کی کفالت فرمائی۔ وفات سے پہلے حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے خلافت عطا فرمائی، بعد ازاں حضرت شیخؒ نے بھی اجازتِ بیعت دی۔ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کے بعد ہر موقع کے مرکزی بیانات آپ کے حوالے ہوئے، لوگ آپ کے بیان کے گرویدہ رہے، تین تین چار چار گھنٹوں کا بیان تو آپ کے لئے معمولی بات تھی، بیان میں پورے مجمع پر رقت طاری رہتی تھی، نظام الدین مرکز کا فجر کے بعد کا بیان مسلسل تیس سال تک فرمایا۔ حضرت مولانا محمد ہارون صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے معاونِ خاص بن کر ہر موقع پر اُن کے ساتھ رہے، حضرت جی بھی آپ سے بے پناہ محبت فرماتے، پھر ۱۹۹۰ء میں عالمی شوریٰ کے رکن مقرر کیے گئے۔ حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ، حضرت مولانا اظہار الحسنؒ اور حضرت مولانا عبیداللہ بلیاویؒ کی وفات کے بعد آپ نظام الدین مرکز اور عالمی کام کے روح رواں اور سرپرست کی حیثیت رکھتے تھے اور واقعتاً حضرت مولانا اظہار الحسن کاندھلویؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد سعد کاندھلوی دامت برکاتہم کی ہر موقع پر سرپرستی فرمائی، لیکن افسوس کہ ان دونوں حضرات کو حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ جیسی عظیم شخصیت کی سرپرستی زیادہ دیر تک میسر نہ آسکی اور حضرت مولانا اظہار الحسنؒ کی وفات کے محض ایک سال اور کچھ ایام کے بعد مؤرخہ ۲۱ر مئی ۱۹۹۷ء کو بارہ بجے اس دنیائے فانی سے اخروی سفر پر روانہ ہوگئے، نظام الدین مرکز ہی میں جنازہ ہوا اور حضرت مولانا عبیداللہ بلیاویؒ کے برابر میں تدفین ہوئی۔ حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ کی سوانح مفتی محمد پالن پوری کے قلم سے شائع ہو چکی ہے، جب کہ بیس جلدوں میں مفتی محمد روشن قاسمی صاحب نے ان کے بیانات تخریج اور حوالہ جات کے ساتھ نہایت عمدگی سے مرتب کئے ہیں۔ (جاری ہے)

اعصاب اور مردانہ امراض کیلئے بہترین آزمودہ نسخہ
فیصل
مکمل علاج، مکمل خوراک
قیمت 3000 روپے
وزن 600 گرام
معجون قوتِ اعصاب زعفرانی
133 اجزاء اکسیر مرکب

☆ خوشگوار زندگی کے لمحات مزید پرکیف
☆ اعضائے خاص کی تمام بیماریوں میں مفید
☆ قوت خاص اور امساک کے لئے نادر نسخہ
☆ ہضم کی درستگی اور پیدائش خون میں اضافہ کا ضامن
☆ جریان، احتلام، ہڈیوں، پٹھوں کی کمزوری اور تھکاوٹ کیلئے مفید

زعفران	جائفل	ناگرموتھ	مغز بندق	آرد خرما	جوہر آہن
مصطگی	جلوتری	بج	مغز خولہ	سنگھاڑا	کشتہ چاندی
مروارید	دارچینی	اکر	الائچی خورد	بیج کاکنج	شکوفہ اذخر
ورق طلاء	لونگ	ماہی	الائچی کلاں	بیج عشق پیچ	
ورق نقرہ	گوند کیکر	جڑ موسلی	زنجبیل	ماہی	
مغز چلغوزہ	مغز بادام	رس کونچ	بہمن سفید	گوند کتیرہ	

33 اجزاء

معجون تسکین دل
دل کے تمام امراض کے لیے مفید ہے۔
دل کے درد، شریانوں کی بندش، دل کی کمزوری، دل کی گھبراہٹ دل کا بے ترتیب اور تیز چلنا، بلڈ پریشر کا کم یا زیادہ ہونا اور دل کے دیگر امراض کی اصلاح کرتا ہے۔
جگر و معدہ کی اصلاح کرکے نیا خون پیدا کرتا ہے۔
عام جسمانی کمزوری میں بھی انتہائی مؤثر اور مفید ہے۔
قیمت 1200 روپے
وزن 500 گرام

آب سیب	آب انار	آب ادرک	ورق نقرہ	تخم خرفہ
آب بہی	آب لیمن	شہد خالص	بہمن سفید	عود ہندی
زعفران	مروارید	ورق طلاء	کشنیز	بادرنجبویہ
ابریشم	گل سرخ	گل نیلوفر	تخم کاہو	درونج عقربی
صندل سفید	طباشیر	آملہ	جوہر مرجان	مغز تربوز
گل گاؤزبان	الائچی خورد	کہربائی	بہمن سرخ	

پاکستان بھر میں فری ہوم ڈلیوری
0314-3085577
فیصل FOODS ستار پلازہ ڈی گراؤنڈ پیپلز کالونی فیصل آباد

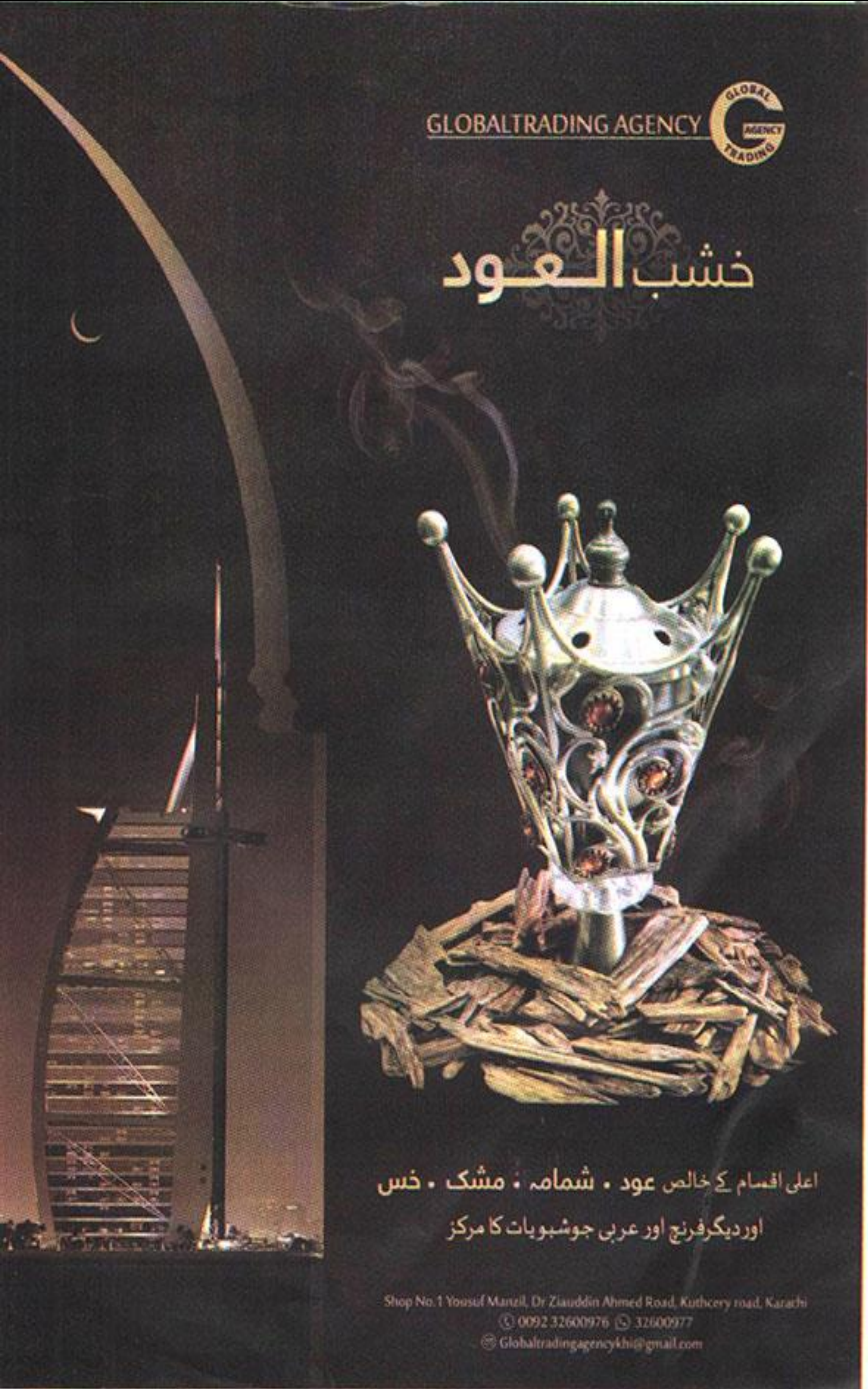
GLOBALTRADING AGENCY
خشب العود
اعلی اقسام کے خالص عود • شمامہ • مشک • خس
اور دیگر فرنچ اور عربی خوشبویات کا مرکز
Shop No.1 Yousuf Manzil, Dr Ziauddin Ahmed Road, Kuthcery road, Karachi
0092 32600976 32600977
Globaltradingagencykhi@gmail.com